جلد ۹۲ نومبر ۱۹۷۹ء عدد ۳

ماہنامہ

ترجمان القرآن

ابو الاعلیٰ مودودی

ادارہ ترجمان القرآن اچھرہ لاہور

تفہیم القرآن

پارہ اوّل ـــ سورۃ الفاتحہ والبقرہ ـــ سورۃ التوبہ ـــ سورۃ الفرقان
سورۃ العنکبوت ـــ سورۃ لقمان ـــ سورۃ الاحزاب ـــ سورۃ یٰسٓ
سورۃ الفتح ـــ سورۃ الحجرات ـــ اور ـــ سورۃ الرحمٰن ـــ کے بعد

تفسیر تیسواں پارہ

اِدارہ ترجمان القرآن کے روایتی معیار کے
مطابق شائع کیا گیا ہے۔ آج ہی آرڈر بُک کرائیں

ولایتی کاغذ ـــ آفسٹ طباعت ـــ خوب صورت کور

سائز: ۱۸ × ۲۲ / ۸

هدیہ: بیس ۲۰ روپے

اِدارۂ ترجمان القرآن ○ اِچھرہ، لاہور

ترجمان القرآن لاہور

فہرست مضامین

جلد ۹۲	نومبر ۱۹۷۹ء مطابق ذوالحجہ ۱۳۹۹ھ	عدد ۳

اشارات: جناب نعیم صدیقی صاحب ۲

مقالات:

اجماعِ اُمت اور قانون سازی میں اس کی حیثیت — جناب طیب شاہین لودھی صاحب ۹

اسلامی ہیئت حاکمہ
(مولٰنا سید ابوالاعلیٰ مودودی مغفور کی تحقیق کے مطابق) — جناب نعیم صدیقی صاحب ۱۸

ی تہ ب کا بحران — جناب ریاض الحسن نوری صاحب ۳۰

سائل:

عبداللہ بن اُبیؔ کا جنازہ — جناب ملک غلام علی صاحب ۳۷

مطبوعات: (ادارہ) ۴۲

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵-اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

فون نمبر —— ۴۱۱۰۱۶ —— ۴۱۰-۳۱۶

زرِ سالانہ بیس روپے - فی پرچہ ۲/- روپے

ابوالخیر مودودی پبلشر نے پاکستان پرنٹنگ ورکس لاہور میں چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا۔

پرنٹر: محمد شفیع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

(۱)

ایک سال بعد پندرھویں صدی ہجری شروع ہونے والی ہے۔

اس موقع پر ۲ سالہ تقاریب کا آغاز ہو چکا ہے۔ چودہ سویں سال میں تو زیادہ توجہ اس بات پر جانی چاہیے کہ ختم ہونے والی صدی اور اس سے پہلے کی تاریخ کے تجربات کیا ہیں اور اس نے ہمیں حیاتِ نو کے لیے کیا سبق دیے ہیں۔ ہمارے اہلِ فکر و نظر کو یہ جائزہ لینا ہے کہ ہماری چودہ صدیاں کس طرح گذریں۔ اس میں نزولِ وحی اور ہجرتِ مدینہ اور غزوہ بدر اور فتح مکہ کے بعد دورِ خلافتِ راشدہ میں کیا کیا سنگ ہائے میل نصب ہوئے۔ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی شہادت جس "یہودی۔ مجوسی۔ سبائی" سازش کے تحت ہوئی ــــ اُس نے کس طرح کربلا میں اسلامی معاشرے کی ہیئت کو پوری طرح اُلٹ کر رکھ دیا۔ اور قیصریت و کسرویت اپنے پورے اطوار اور رندانہ کلچر کے تحت بہ متمکن ہو گئی۔ اسی طرح پوری تاریخ کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ اسلامی تاریخ کے ایک مثالی دور حکومت کے لحاظ سے حضرت سیدنا فاروقؓ کے کارنامے سے خصوصی استفادہ کرنا چاہیے۔

پھر جہاں ایک طرف مسلمانوں کی حیرت انگیز فتوحات پر نظر ڈالنی چاہیے۔ اسی طرح بڑے بڑے سانحات، مثلاً تاتاریوں کے حملے اور صلیبی جنگوں اور مغربی امپریلزم کا مطالعہ بھی اس لحاظ سے کرنا چاہیے کہ مسلم معاشرے پر وقت کی ان خوفناک لہروں نے کیا اثرات ڈالے۔ اسی طرح عجمی بادشاہت، یونانی فلسفے، ہندی تصوف اور مغربی تہذیب کے حملوں نے ہمیں کیا چرکے دیے اور ان حملوں نے ہمارے اندر مثبت جوابی ردِ عمل کیا پیدا کیا۔

سیاسی احوال کے ساتھ ساتھ ان شخصیتوں اور اداروں کے کارناموں کا ریکارڈ بھی کھنگالنا چاہیے

جنہوں نے تخریبی یا تعمیری افکار پیش کیے اور تحریکیں اٹھائیں - انحراف پسندوں، تجدد کیشوں اور تجدید و احیائے اسلام کے داعیوں نے کس زمانے میں کیا پارٹ ادا کیا - اس ضمن میں بڑی بڑی کتابوں اور معروف لٹریچر کا تعارف بھی کرانا چاہیے - ایک بڑا کام ہو جائے گا - اگر ایک جامع معیار کی تاریخ تجدید و احیائے دین مرتب ہو جائے نیز تاریخ تبلیغ اسلام بھی لکھی جانی چاہیے -

مسلمانوں کی علمی خدمات کو بھی اس زمانے کی ضروریات کے مطابق جامع شکل میں مرتب کر کے سامنے لانا چاہیے، خصوصاً تفسیر و حدیث ، اسماء الرجال ، تاریخ و سوانح اور اخلاقیات کے علاوہ طب ، جغرافیہ ، جیومیٹری ، الجبرے ، فلکیات ، انجینئری اور تعمیرات ، جنگی آلات و فنون وغیرہ دائروں میں مسلم اسلاف کے کارناموں سے ان کے اخلاف کو آگاہ کرنے کا ایک مناسب موقع ہے -

---

فاضل قانون دان جناب اے کے بروہی کی تجاویز بھی بڑی اہم اور وسیع ہیں خصوصاً اسلامی ہجری کیلنڈر کی ترویج ، اسلامی اٹلس کی تیاری " جدید اسلامی دنیا " کے نام سے موجودہ دنیائے اسلام کے احوال و کوائف پر ایک کتاب کی تدوین خاص اہم تجاویز ہیں -

اسی سلسلے میں دو کام اور ایسے ہیں کہ ان کی تکمیل میں کچھ وقت لگ سکتا ہے مگر ان کا آغاز اس موقع پر ہو جانا چاہیے - ایک تو اسلامی شخصیات کا لغت (بہ صورتِ کتاب الاعلام) مرتب ہو جانا چاہیے جس میں ہر شعبۂ زندگی اور ہر علم و فن سے متعلق تمام ایسی شخصیتوں کا مختصر تذکرہ پیش کر دیا جائے جو ہماری تاریخ میں اہمیت رکھتی ہیں نیز وہ بھی جو دورِ حاضر کی دو صدیوں میں نمودار ہوئیں اور جو آج موجود ہیں -

دوسرا ضروری کام ہے اسلامی تاریخ کے انسائیکلوپیڈیا کی ترتیب - اس میں ہر متعلقہ شخصیت ، ہر مقام اور ہر واقعہ کو عنوان بنا کر حروف تہجی کی ترتیب سے لیا جائے -

ان بڑے بڑے کاموں کے علاوہ ادب ، شاعری ، خطاطی ، نقاشی ، تعمیرات وغیرہ دائروں میں اسلامی ثقافت کا جو نشو و نما ایک خصوصی امتیازی نہج سے ہوا ہے اس کا ریکارڈ محفوظ اور یکجا کیا جائے -

---

ملتِ اسلامیہ کی کچھ خصوصیات ایسی ہیں جنہیں واقعات کی روشنی میں نمایاں کیا جائے مثلاً :

۱۔ یہ ایک ایسی قوم ہے کہ انتہائی بگاڑ کے حالات میں بھی اس کے ہاں شاہی ایوان سے لے کر دہقانوں کے جھونپڑوں تک انسانیت کی زریں مثالیں متفرق طور پر بہت زیادہ ملتی ہیں۔

۲۔ یہ ایک ایسی قوم ہے جس کے حکمرانوں اور عوام نے اپنی اقلیتوں کے ساتھ دنیا کے کسی بھی دوسرے معاشرے سے دسیوں گنا زیادہ بہتر سلوک کیا ہے۔

۳۔ یہ ایک ایسی قوم ہے جس میں فحش پن کی غلاظت کو دوسری اقوام کے مقابلہ میں کم جگہ ملی ہے۔ مثلاً دنیا بھر میں شراب نوشی سے اجتناب کرنے کے لحاظ سے اس کا درجہ آج بھی دوسروں سے بلند ہے۔

۴۔ اس قوم کی پوری تاریخ میں سخت گیر جابر بادشاہوں کے سامنے اُن کے مظالم یا غلطیوں پر تنقید و احتجاج کرنے کے لیے اکیلے اکیلے افراد نے کھڑے ہو کر حالات کا رُخ بدل دیا ہے۔

۵۔ یہ ایک ایسی قوم ہے جس کے افراد پے در پے انتہائی سفاکیوں کا سامنا کرنے پر بھی اسلام سے وابستگی کو ترک نہیں۔ دنیا میں کتنے ہی ممالک ہیں جہاں مسلم اقلیتیں غیر مسلم اکثریتوں کی اسلام دشمن جارحیتوں کا برسوں سے مقابلہ کر رہی ہیں اور مسلسل جان و مال کی قربانیاں دے رہی ہیں۔

۶۔ یہ ایسی قوم ہے کہ گمراہیوں کے اتھاہ اندھیروں میں گھرنے کے بعد، ہر دَور میں اس کے اندر سے کوئی ایسا مشعل بردار اُٹھ کھڑا ہوتا ہے، جو از سرِ نو اسلام کی دعوت دے کر تجدید کے عمل کا آغاز کر دیتا ہے۔ یہ واحد قوم ہے جو اپنے آپ کو اپنی اعتقادی و تہذیبی بنیادوں پر .... استوار کرنے کے سعیٔ مسلسل کرتی چلی آ رہی ہے اور جزوی طور پر بارہا عملِ تجدید میں اس کو کامیابیاں بھی ہوئی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ہماری تاریخ خیر و شر کی کشمکش کا ایک ایسا عملِ مسلسل ہے جس میں سخت ترین حالات میں بھی علمبردارانِ خیر نے ہتھیار نہیں ڈالے بلکہ شر اور باطل اور طاغوت کی بڑی سے بڑی طاقت جو تاریخ اسلام میں داخل ہوئی اس کو کمزور بلکہ نہتے اور بے سرو سامان لوگوں نے بڑی بے باکی سے چیلنج کیا ہے۔ کسی بُرائی کو بگٹٹ چلنے کی چھوٹ اسلامی معاشرے میں کبھی نہیں مل سکی۔

۷۔ اور یہ ایسی قوم ہے جو پچھلے دو سو سال میں مغربی امپیریلزم کی یورش کے مقابلے میں خالص دینی اسپرٹ سے جگہ جگہ نبرد آزما ہوتی رہی ہے۔ اس نے بیرونی تسلط کے خلاف دوسروں سے بڑھ کر مقاومت دکھائی اور قربانیاں دی ہیں اور سامراج کے مسلط ہو جانے کے بعد بھی بہ حیثیتِ مجموعی اس کے دلوں اور ضمیروں کی دنیا کبھی جھک نہ سکی۔ یہاں تک کہ آج عالم اسلام زیادہ تر آزاد

ہو چکا ہے۔

اس قوم کی یہی اسپرٹ بیرونی نظریات اور تحریکوں اور ثقافتوں کے متعلق بر سرِ عمل ہے۔ اس کے بگڑے ہوئے طبقوں نے دوسروں کے آلہ کار بن کر سیکولرازم، نیشنلزم اور سوشلزم کو مسلط کرنے کے لیے جگہ جگہ کوششیں کی ہیں۔ ظلم توڑے ہیں، خون بہایا ہے، مگر یہ نظریات کہیں بھی دلوں اور دماغوں میں جڑیں نہیں چھوڑ سکے۔ مسلمانوں نے بہ حیثیت مجموعی غیر اسلامی نظریات و تحریکات کی سخت مزاحمت کی ہے۔

تاریخ میں ان پہلوؤں کا بڑا عمیق مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے، اور یہ ہمارے نئے دورِ حیات کے لیے بے حد مفید ہو گا۔

---

(۲)

اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ ہم پندرھویں صدی کا آغاز کن اہم اقدامات سے کریں کہ اپنے کھوئے ہوئے مقام کو حاصل کر سکیں۔

قابلِ غور تجاویز یہ ہیں:۔

۱۔ مکہ میں عالم اسلام کی جو نمائندہ کانفرنس نئی صدی کے افتتاح کے لئے ہونے والی ہے اس پروگرام کا اولین جز یہ ہونا چاہیئے کہ حسب ذیل نکات پر مشتمل ایک ''اعلامیہ مکہ'' جاری کیا جائے جس کو پورا عالم اسلام اپنا لائحہ عمل بنائے۔

ا۔ توحید کے سیاسی تصور پر مبنی ایسی ہیئت ہائے حاکمہ کو تشکیل دینا۔ جو خدا کی حاکمیت، قانونِ شریعت کی بالاتری اور اصولِ شوریٰ کی آئینہ دار ہوں۔ قطع نظر اس سے کہ ان کے ظاہری تنظیمی ڈھانچے کیسے بھی ہوں اور مقامی ضروریات کے لحاظ سے آپس میں کسی قدر مختلف بھی۔ اساس اور اسپرٹ سب کی ایک ہونی چاہیے۔ اس فیصلے کے تحت جہاں جہاں نظام رائج میں ردّ و بدل کی ضرورت ہو، تدریجاً اسے عمل میں لایا جائے۔

ب ۔ شریعت کے دیئے ہوئے اساسی حقوق کا ایک چارٹر مرتب کیا جائے اور ان حقوق کی بہم رسانی اور ان کے تحفظ کی ہر حکومت ضمانت دے۔

ج ۔ غیر اسلامی نظریات، تحریکوں اور ثقافتوں سے مسلمانوں کو نجات دلانے کا فیصلہ کیا جائے اور

اس کے سب سے ضروری نکات پر مشتمل ایک متفقہ لائحہ عمل طے کیا جائے۔ خصوصاً شراب، بدکاری، فحاشی، عریانی، مخرب اخلاق تصاویر اور فلموں اور لٹریچر کا انسداد ضروری ہے۔

د۔ اعلامیہ مکہ میں اس امر کی ضمانت دی جائے کہ دنیا کے کسی بھی حصے میں کسی مسلمان کو ضروریاتِ زندگی کی محرومی کا شکار نہیں ہونے دیا جائے گا۔ اس ضمانت کو پورا کرنے کے لئے جہاں اولین ذمہ داری مقامی مسلم حکومت کی ہو، وہاں اس کی مدد کے لئے ایک مرکزی فنڈ بھی مہیا کیا جائے جس میں سے حسبِ ضرورت کسی خاص علاقے میں کوئی مدد بہم پہنچائی جائے۔

۵۔ اتحادِ عالم اسلامی کے لئے ایک بڑا اقدام یہ کیا جائے کہ فی الحال اقوام متحدہ میں رہتے ہوئے "مسلم اقوام متحدہ" یا "مسلم بلاک" کے عنوان سے اقوام متحدہ سے وابستہ مسلمان ممالک کی تنظیم کی جائے، یہ تنظیم اقوام متحدہ میں مسلم نمائندوں کو ایک متفقہ طرزِ عمل پہ چلائے۔ کوئی تجویز یا شکایت یا رپورٹ کسی مسلم ممالک کو پیش کرنی ہو۔ یا دوسری اقوام کا کوئی معاملہ زیرِ بحث آنا ہو۔ مسلم بلاک کا ایک ہی رویہ پہلے سے متعین ہو جانا چاہیئے۔ یہ کوشش اسی صورت میں کامیاب ہو سکتی ہے۔ جبکہ مسلم ممالک اپنے اپنے معاملات و مفاد پہ الگ الگ رہ کر دوسرے ممالک سے رابطہ نہ کریں۔ بلکہ پہلے آپس میں ہم آہنگی پیدا کر لیں۔ کسی مسلم حکومت یا قوم کا ایسا اقدام جو دوسروں کے لئے باعثِ ضرر ہو، عمل میں نہیں آنا چاہیئے، نیز برسرِعام مسلم ممالک اپنی چپقلشیں بند کر دیں۔ اور ایک دوسرے کے خلاف بیان بازی کرنے کے بجائے باہمی گفت و شنید سے پیچیدگیوں کو حل کریں۔

مسلم بلاک (جسے اب تیسرا بلاک کہنے کے بجائے چوتھا بلاک کہنا چاہیئے) سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے لئے چند یونیورسٹیاں، تجربہ گاہیں اور لائبریریاں قائم کرے، مختلف ممالک میں پھیلا کر ضرورت کی چھوٹی بڑی مختلف صنعتیں لگائے۔ خاص طور پہ جدید ترین سامانِ جنگ بنانے کے کارخانے شروع کرے۔ کسی نہ کسی طرح کا دفاعی تعاون بھی ہونا چاہیئے۔ اس نقشۂ کار پہ کام کرنے کے لئے اپنے سرمایوں کی تنظیم نو کے لئے اسلامی نظام بنک کاری کا قیام بھی ضروری ہے۔ مسلمانوں کی اپنی مضبوط پروپیگنڈا مشینری ہونی چاہیئے۔ بدقسمتی سے کئی سالوں میں ایک وسیع نیوز ایجنسی کی تجویز بھی پوری طرح روبعمل نہیں آسکی۔ اب ایک قطعی فیصلہ کر کے نمبروار مہم شروع کرنی چاہیئے۔

یہ بھی ضروری ہے کہ اسلامی بنیادوں پہ علوم کی تدوین نو اور اعلیٰ درجہ کے لئے نصابی کتب کی تیاری

کا پروگرام بھی شروع کیا جائے۔ اور دنیا کے ہر باطل کا مقابلہ کرنے کے لئے وسیع تحقیقی لٹریچر مہیا کیا جائے۔

۳۔ مسلم اقوام متحدہ یا مسلم بلاک یا عالم اسلام کی سربراہی کانفرنس کی ایک بھاری ذمہ داری یہ ہے کہ وہ مختلف ممالک میں بستی ہوئی مسلم اقلیتوں کو بچائے۔ جہاں بھی مسلم کشی کے واقعات ہوں یا حکومتیں مسلمانوں کے خلاف جنگ کریں۔ وہاں ایک تو انجمن ہلال احمر کو فوراً پہنچنا چاہیئے۔ اور ہر طرف سے خوراک، کپڑوں دواؤں ...... اور سامانِ بحالی کی صورت میں مدد بہم پہنچائی جائے۔ دوسرے مسلم حکومتوں کو یہ بات منوانی چاہیئے کہ ایسے ہر واقعہ کی تحقیقات کے لئے جو بھی صورت اختیار کی جائے اس میں ایک دو یا چار مسلم نمائندگان کو شامل کیا جائے۔ اور پھر مسلم اقوام اپنی میٹنگ میں نتائج تحقیقات پر غور و خوض کریں۔ تیسری ضروری بات یہ ہے کہ جن ممالک میں مسلم کشی کی کوئی کارروائی بڑے پیمانے پر ہو۔ یا بار بار ایسے واقعات ہوں، ان کو وارننگ دے کر مسلم ممالک ان سے اقتصادی بائیکاٹ کریں۔ اور ان کو دیئے ہوئے ٹھیکے اور سودے منسوخ کر دیں۔ اور ان کے آدمیوں کو واپس کر دیں۔ دنیا بھر میں مسلم اقلیتوں پر ہونے والے مظالم کی رپورٹ ہر سال مرتب کر کے شائع کی جائے۔

بہ حیثیت مجموعی تمام مسلم ممالک اور مسلم اقلیتوں کے احوال ۔ قعات کے متعلق سالانہ ایک کتاب (YEAR BOOK) یا المانک (ALMANIC) شائع کرنے کا پروگرام بنا کر اس کے لئے بورڈ مقرر کر دیا جائے۔ اس طرح تمام مسلم ممالک کے ریڈیو سے "صوت الاسلام" کا ایک تبلیغی پروگرام مختلف زبانوں میں رکھا جائے۔

۲۔ اسلام کے اصولوں پر مبنی ایک ایسی ہیئتِ سیاسیہ کی تشکیل کے لئے تحقیقاتی کام کرایا جائے جو موجودہ زمانے کی ضروریات اور احوال کے اندر بہترین صورت میں کام کر سکے۔ اس طرح اسلام کے اقتصادی نظام اور ضمناً بلا سود بنک کاری کے سسٹم کی بھی ممکن العمل صورتیں واضح کی جائیں۔

۳۔ تمام مسلم ممالک میں ایک تو تعلیم بالغاں کی اسکیمیں چلنی چاہئیں۔ دوسرے عام آدمی کے لئے ضروری دینی معلومات کا ایک مختصر ترین کورس تیار کیا جائے۔ جسے تعلیم بالغاں کی مہم کے ساتھ ساتھ تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ سبھی کو پڑھا دیا جائے۔ اس مثبت کام کو انجام دیتے ہوئے کڑی نظر رکھی جائے کہ مسلمانوں کے اندر دوسرے مذاہب کے تبلیغی ادارے کہاں کس طرح کام کر رہے ہیں۔ یہ ادارے اگر

دولت یا خدمات کو ذریعۂ تبلیغ بنائیں تو ایسی تبلیغ کو روک دیا جائے ۔ ہاں اگر دلائل کے زور سے تبلیغ کی جا رہی ہو تو اس کا مقابلہ دلائل سے کرنے کے لئے مناسب افراد یا اداروں کو مامور کیا جائے یہ بات بہت ضروری ہے کہ مسلمانوں کو مرتد بنانے کی جو تبلیغی مہمات چل رہی ہوں ۔ ان کی ملک وار اور عالمی رپورٹیں مسلم حکومتیں اپنے انتظام سے تیار اور شائع کرائیں ۔

۳ ۔ اس موقع پر مختلف عمروں کے بچوں کے لئے خاص طور پر دلچسپ لٹریچر شائع کیا جائے ۔

یہ محض ایک خاکہ ہے ۔ اسے توسیع دینے کی مزید گنجائش ہے اگر صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق صاحب کی نشری تقریر کو سامنے رکھا جائے ۔ نیز جناب اے کے بروہی صاحب کے حالیہ ارشادات سے استفادہ کیا جائے تو اور بہت سے پہلو سامنے آتے ہیں ۔ مختلف سطحوں پر سوچنے والوں کی تجاویز کو جمع کرکے آخر میں کام کا ایک مکمل نقشہ مرتب کیا جا سکتا ہے ۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ حکومت کے تمام شعبے اور محکمے ، دینی اور سوشل ادارات ، تمام مدرسے تمام تنظیمیں ، علماء اور محققین ، دانشور ادیب اور صحافی ، اسلامی انداز کو نمایاں کرنے والے آرٹسٹ اور خطاط مختلف جرائد اور ناشرین سبھی حرکت میں آئیں ، پندرھویں صدی کے آغاز کی دو سالہ تقاریب میں حصہ لیں اس طرح پورے عالم اسلام میں روشن مستقبل کے آغاز کی ایک تحریک سی اٹھ کھڑی ہونی چاہیئے ۔

ایسی تحریک کو فروغ دینے کے لئے جس طرح یہ تجویز مناسب ہوگی کہ تمام ممالک میں ڈاک کی خاص ٹکٹیں ، خاص نوٹ یا سکے جاری کئے جائیں ۔ اسی طرح کئی اور تدبیریں مفید ثابت ہو سکتی ہیں ۔ مثلاً ۔

ا ۔ پندرھویں صدی ہجری کے افتتاح کے موقع پر ایسے تہنیتی کارڈز شائع کئے جائیں ۔ جن کو اسلامی فن تعمیر اور خطاطی و نقاشی کے اعلیٰ نمونوں سے آراستہ کیا جائے اور دوسری طرف ان پر دعائیہ کلمات یا ایمان پرور اور امید افروز اشعار یا پیغامات درج ہوں ۔ یہ کارڈ لوگ اپنے اعزہ و احباب کو ملک میں اور بیرون ملک ارسال کریں ۔

ب ۔ خاص قسم کے میڈل حکومت تیار کرائے اور وہ ہر شعبۂ زندگی سے متعلق بہترین اسلامی خدمات انجام دینے والوں میں خاص تقاریب کے ساتھ تقسیم کئے جائیں ۔

(باقی بر صفحہ ۴۸)

اجماعِ اُمت اور قانون سازی میں اس کی حیثیت

از طیب شاہین لودھی

(۳)

اجماع اور نصوص کا تعلق جمہور علماء اس طرف گئے ہیں کہ نص سے استدلال کیے بغیر اجماع کا انعقاد ممکن نہیں یعنی اجماع یا تو قرآن وسنت کی نصوص کی تعبیر پر یا قیاس و استنباط پر یا کسی مصلحتِ عامہ پر منعقد ہوگا۔ قاضی عبدالجبار معتزلی فقہاء کی ایک جماعت سے نقل کرتے ہیں کہ نص کے بغیر اجماع منعقد ہوسکتا ہے لیکن جمہور علماء کہتے ہیں کہ وہ مسائل جن پر اجماع کا انعقاد ثابت ہے اگر ان کا تتبع کیا جائے تو اُن کی دلیل کتاب وسنت اور قیاس وغیرہ سے ضرور مل جائے گی۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

"قطعاً کوئی ایسا مسئلہ نہیں پایا جاتا جس پر اجماع کا انعقاد ثابت ہو اور اُس میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا بیان نہ پایا جاتا ہو لیکن کبھی کبھی یہ بیان مجتہدین پر مخفی رہ جاتا ہے۔ وہ اسے اجماعی مسئلہ سمجھ لیتے ہیں اور اس سے استدلال کرتے ہیں جیسے ایک مجتہد نص سے استدلال کرتا ہے۔ مگر وہ دلالتِ نص سے لاعلم ہوتا ہے حالانکہ نص کے ساتھ دلالتِ نص بھی ایک دلیل ہے مثلاً قرآن کی ضرب الامثال ہیں، (بعض دوسرے معانی کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے)، یہ تمام اصول اپنے تلازم کے ساتھ محض حق پر دلالت کرتے ہیں۔ لہٰذا اجماع جس چیز پر دلالت کرتا ہے درحقیقت اس پر کتاب وسنت کی دلالت موجود ہوتی ہے"[1]

آگے چل کر ابن تیمیہؒ رقمطراز ہیں:

"ہم یہ شرط عائد نہیں کرتے کہ تمام مجتہدین کو نص کا علم ہو۔ پھر وہ اس نص کو اسی طرح آگے نقل کریں جس طرح احادیث و اخبار نقل کی جاتی ہیں۔ لیکن جب ہم نے موارد اجماع کا

---

[1] فتاویٰ ابن تیمیہؒ جلد ۱۹ ص ۱۹۵

استقرا دکیا تو ہمیں معلوم ہوا کہ وہ تمام نصوص پر مبنی ہیں۔ دراصل ہوتا یوں ہے کہ بہت سے علماء بعض دفعہ کسی مسئلہ میں نص کا علم نہیں رکھتے تھے (اور جب وہ اجتہاد کرتے ہیں تو ان کا اجتہاد) جماعت کی رائے کے ساتھ موافقت کرجاتا ہے"[1]

بعض فقہاء قیاس پر مبنی اجماع کے انعقاد کو تسلیم نہیں کرتے۔ یہ رائے امام داؤد ظاہریؒ، علامہ ابن حزمؒ اور امام ابن جریر طبریؒ کی ہے، امام داؤد ظاہری اور علامہ ابن حزمؒ تو تعلیل احکام کا انکار کرنے کی وجہ سے قیاس کو حجت تسلیم نہیں کرتے بلکہ اسے باطل قرار دیتے ہیں۔ ابن جریر طبریؒ تعلیل احکام اور قیاس کی حجیت کو تسلیم تو کرتے ہیں مگر وہ کہتے ہیں کہ اجماع جب قیاس پر مبنی ہوگا تو اس کی صحت قطعی نہ ہوگی۔

اجماع کا دائرۂ اختیار جمہور علماء اس طرف گئے ہیں کہ کتاب وسنت کی نصوص کو اجماع کے ذریعے منسوخ نہیں کیا جاسکتا۔ گویا اجماعِ قطعی اور نصوص میں تعارض واقع ہوتا ہی نہیں۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاوی میں نقل کیا ہے کہ بعض متکلمین اور اہل الرائے کے نزدیک اجماع نصوص کو منسوخ کرسکتا ہے[2]۔ نورالانوار کے فاضل مصنف نے اس مسلک کو بعض معتزلہ کی طرف منسوب کیا ہے ــــــ غالباً علامہ ابن تیمیہؒ کی "بعض متکلمین" سے مراد معتزلہ ہی ہیں۔ قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے شلف الرضی رح کے حوالے سے علمائے حنفیہ میں علامہ عیسیٰ بن ابانؒ کا مسلک نقل کیا ہے کہ اجماع سنت کو منسوخ کرسکتا ہے[3]

جہاں کہیں نصوص اور اجماع بظاہر ایک دوسرے کے متعارض نظر آتے ہیں وہاں اجماع کے ساتھ ضرور کوئی نص ہوتی ہے جو پہلی نص کی ناسخ ہوتی ہے۔ اجماع تو دراصل اس نسخ کی واقعیت پر ہوتا ہے۔ اجماع فی نفسہٖ نص کا ناسخ نہیں ہوتا۔ نیز یہ ممکن بھی نہیں کہ اُمت نصِ منسوخ کو تو محفوظ رکھے اور نصِ محکم کو ضائع کردے۔

اجماع کے ذریعے نصوص کے نسخ کے قائلین اپنے موقف کی تائید میں عام طور پر دو آیتوں کا حوالہ دیتے ہیں جن کے حکم کو بقول اُن کے صحابہ کرامؓ کے اجماع نے منسوخ کردیا۔

---

[1] فتاویٰ ابن تیمیہؒ جلد ۱۹ ص ۱۹۶ [2] ایضاً ص ۲۹۷

[3] ارشاد الفحول للشوکانیؒ ص ۱۹۳

۱۔ زکوٰۃ کے مصارف میں سے مولفۃ القلوب کے حصے کا اجماع صحابہؓ کے ذریعے سقوط۔
۲۔ میت کے دو بھائیوں کی موجودگی میں ماں کو چھٹا حصہ دینے پر صحابہؓ کا اجماع۔

(۱) "مولفۃ القلوب" کے حصے کا اجماع کے ذریعے منسوخ ہونے کا دعویٰ تو مجتہدین کی ایک جماعت مؤلفۃ القلوب کے حصے کو منسوخ اور ساقط تسلیم نہیں کرتی۔ علامہ آلوسیؒ نے امام زہریؒ، امام محمد الباقرؒ، امام حسن بصریؒ، امام ابو ثورؒ اور امام احمد بن حنبلؒ جیسے بزرگوں کا نام نقل کیا ہے جو اس حصے کے سقوط کو تسلیم نہیں کرتے [۱] امام زہریؒ فرماتے ہیں "لا اعلم شيئًا نسخ حكم مؤلفة القلوب" [۲] "کوئی ایسی چیز میرے علم میں نہیں ہے جس نے مولفۃ القلوب کے حکم کو منسوخ کر دیا ہو"۔ ان تصریحات سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ حضرت عمرؓ اور صحابہ کرامؓ کے اجماع نے اس حکم کو ہمیشہ کے لیے منسوخ اور ساقط نہیں کر دیا تھا۔ لہٰذا ہم مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے کہہ سکتے ہیں کہ:

> "حضرت عمرؓ اور صحابہ کرامؓ کا اجماع جس امر پر ہوا وہ صرف یہ تھا کہ اُن کے زمانے میں جو حالات تھے اُن میں تالیفِ قلب کے لیے کسی کو کچھ دینے کی وہ حضرات ضرورت محسوس نہ کرتے تھے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنے کی کوئی معقول وجہ نہیں کہ صحابہ کرامؓ کے اجماع نے اس مد کو قیامت تک کے لیے ساقط کر دیا جو قرآن کریم میں بعض اہم مصالح دینی کے لیے رکھی گئی ہے" [۳]

دوسری آیت یہ ہے: فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ [۴] (اگر میت کی اولاد نہیں اور اس کے ماں باپ وارث ہیں تو ماں کو (ترکہ کا) تیسرا حصہ ملے گا۔ اگر میت کے کچھ بہن بھائی ہیں تو ماں کو ترکہ کا چھٹا حصہ ملے گا)۔

۱۔ تفسیر روح المعانی طبع مکتبہ رشیدیہ لاہور جزء ۱۰ ص ۱۲۲
۲۔ المغنی لابن قدامۃ بتصحیح ڈاکٹر محمد خلیل ہراس طبع مصر جلد ۲ ص ۶۶
۳۔ تفہیم القرآن۔ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ۔ تفسیر سورۃ توبہ حاشیہ ص ۶۴
۴۔ سورۃ النساء۔ ۱۱

اجماع کے ذریعے نصوص کے نسخ کے قائلین کا دعویٰ ہے کہ اس آیت کے حکم کے مطابق میت کے دو بھائیوں یا دو بہن بھائیوں کی موجودگی میں ماں کو ترکہ میں سے تیسرا حصہ ملنا چاہیے کیونکہ بقول اُن کے " اِخْوَةٌ " کا اطلاق دو بہن بھائیوں پر نہیں ہوتا۔ لیکن صحابہ کرام کے اجماع نے اِس آیت کے حکم کو منسوخ کر کے صرف دو بہن بھائیوں کی موجودگی میں بھی ماں کو چھٹا حصہ دیا ہے۔

ان حضرات کا یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ صحابہ کرامؓ نے آیت مذکورہ کے کسی ثابت شدہ حکم کو منسوخ نہیں کیا بلکہ قرآن وسنّت کی نظایر کی روشنی میں " اِخْوَةٌ " کے مفہوم کو متعین کیا ہے۔ " اِخْوَةٌ " کا لفظ بغیر کسی کمیت کے جمعیتِ مطلقہ کا فائدہ دیتا ہے اور تثنیہ افادہ کمیت کے اعتبار سے " تین " اور " چار " کی طرح ہے اور یہ جمعِ مطلق پر دلالت کرتا ہے[1] چنانچہ صحابہ کرام کا اجماع تو آیت کے اس مفہوم پر ہوا ہے کہ دو بہن بھائی تین یا تین سے زیادہ بہن بھائیوں کے قائم مقام ہیں۔ قرآن کریم میں ایسی کئی مثالیں ملتی ہیں جن سے اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ جمع کا لفظ بغیر کسی کمیت کے جمعِ مطلق کا فائدہ دیتا ہے۔

۱۔ قرآن کریم میں آتا ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا[2] — چور مرد اور چور عورت کے ہاتھ کاٹ دو۔

یہاں جمع کا لفظ (أَيْدِي) تثنیہ کے لیے استعمال ہوا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا[3] — تو تمہارے دل مائل ہو گئے ہیں

یہاں بھی جمع کا صیغہ (قُلُوب) تثنیہ کے لیے استعمال ہوا ہے۔

۳۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

وَهَلْ أَتَاكَ نَبَأُ الْخَصْمِ — کیا آپ کو جھگڑنے والوں کی خبر پہنچی ہے

---

[1] تفسیر الکشاف للزمخشریؒ طبع ایران جلد ۱ صفحہ ۵۰۸

[2] المائدہ ۔ ۳۸ [3] التحریم ۔ ۴

إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۔ إِذْ دَخَلُوا عَلَىٰ دَاوُودَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ فَقَالُوا لَا تَخَفْ خَصْمَانِ بَغَىٰ بَعْضُنَا عَلَىٰ بَعْضٍ [1]

جب وہ محراب کی دیوار پھاند کر داؤدؑ کے پاس آ گئے ۔ داؤدؑ اُن کو دیکھ کر گھبرا گئے انہوں نے کہا نہ ڈریں ۔ ہم دونوں میں جھگڑا ہے ۔ ہم میں سے ایک نے دوسرے پہ زیادتی کی ۔

نیز صحابہ کرامؓ کے موقف سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس آیت میں " إِخْوَةٌ " کے مفہوم کو متعین کرنے کے لیے ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی تھی ۔ علامہ احمد مصطفیٰ المراغی مرحوم نے بھی اس کی تصریح کی ہے[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الِاثْنَانِ فَمَا فَوْقَهُمَا جَمَاعَةٌ [3]

دو اور دو سے اُوپر (مل کر) جماعت بنتے ہیں ۔

بعض علماء نے اس حدیث کو صرف میراث اور وصیت کے معاملات میں معمول بہ لیا ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں " میراث میں " دو " جماعت کے حکم میں آئیں گے[4]

امام مالکؒ نے بھی " الموطّا " میں ان الفاظ میں تصریح کی ہے فَمَضَتِ السُّنَّةُ أَنَّ الْإِخْوَةَ اِثْنَانِ فَصَاعِدًا[5] (سنت یہ ہے کہ اِخوۃ کا اطلاق دو اور دو سے زیادہ پہ ہوگا ۔

معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ نے قرآن کریم کے کسی ثابت شدہ حکم کو منسوخ نہیں کیا بلکہ قرآن وسنت کی روشنی میں قرآن کے حکم کے مفہوم کو متعین کیا ہے ۔

---

[1] سورہ صٓ - ۲۱ - ۲۲

[2] تفسیر المراغی جزو ۴ ص ۱۹۷

[3] سنن ابن ماجہ مع شرح مفتاح الحاجۃ طبع ادارۃ احیاء السنۃ سرگودھا ص ۶۹

[4] نور الانوار ص ۸

[5] موطا امام مالک مع شرحہ تنویر الحوالک طبع مصر جلد ۲ ص ۴۹

البتہ یہ چیز ثابت ہے کہ تغیرِ احوال اور اضطراری صورت میں صحابہ کرامؓ نے بعض نصوص کے احکام کو عارضی طور پر معطل کیا ہے۔ اس حالت کے ختم ہونے کے بعد نص کے حکم کو نافذ کیا۔ مثلاً جنگ کے ایام میں عظیم تر مصالح کی بنا پر حدود کے نفاذ کو عارضی طور پر معطل رکھا[1]۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے قحط کے زمانے میں چوری کی حد کے نفاذ کو معطل کر دیا[2]۔ حضرت عمرؓ کے اس فیصلے پر صحابہ کرام کی مخالفت ثابت نہیں۔

کسی مسئلہ میں ایک حکم جس پر ماضی میں اجماع ہو گیا ہو، اجماع کے ذریعے منسوخ کیا جا سکتا ہے؟ — جمہور فقہاء کے نزدیک اجماع کے ذریعے اجماع کو منسوخ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اگر ہم اجماع کو اجماع کا ناسخ تسلیم کر لیں تو ہر دو اجماع میں سے ایک کا غلط ہونا لازم آئے گا۔ اور کسی خطا پر اجماع کا انعقاد محال ہے۔ البتہ فخر الاسلام بزدویؒ سے علامہ خضری نے ابن الہمام کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اگر اجماع کسی قیاس پر مبنی ہو اور اس کی علت کوئی ایسا وصف ہے جس کی بنا پر کسی مصلحت کی وجہ سے ماضی میں مجتہدینِ امت نے کسی خاص حکم پر اتفاق کر لیا ہو۔ بعد کے زمانے میں تغیرِ احوال اور مصلحت کے بدل جانے کی وجہ سے اس زمانے کے مجتہدین کسی دوسرے وصف کے اعتبار سے کوئی ایسا حکم لگا سکتے ہیں جو پہلے حکم سے متغایر ہے۔ اس صورت میں اجماع کو اجماع سے منسوخ کیا جا سکتا ہے — سوال پیدا ہوتا ہے کہ علامہ بزدوی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ صورت پر نسخ کا اطلاق ہو سکتا ہے؟ کیونکہ کسی مسئلہ میں انتہائے علت انتفائے وصف یا تغیرِ وصف کی بنا پر انتہائے حکم یا تغیرِ حکم اور نسخ میں واضح فرق ہے۔ ہمارے خیال میں اس کو نسخ کہنا صحیح نہیں۔ مؤلفۃ القلوب کے مسئلہ کو مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔

کسی نص کے حکمِ عام میں اجماع کے ذریعے تخصیص کرنا جائز ہے۔ علامہ آمدیؒ کہتے ہیں کہ اس

---

[1] تاریخ الخلفاء للسیوطی طبع کراچی ص ۱۱ - نیل الاوطار للشوکانی طبع مصطفی البابی مصر، جلد ۷ ص ۱۴۷ - تحفۃ الاحوذی جلد ۲ ص ۳۳۷ -

[2] تفہیمات مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ طبع ستمبر ۱۹۷۰ء جلد ۲ ص ۳۳۶

مسئلہ پر جہاں تک میں جانتا ہوں فقہاء میں کوئی اختلاف نہیں[1]۔ استاذ ابو منصور بھی کہتے ہیں اجماع کے ذریعے عام کی تخصیص کرنا علماء کے ہاں متفق علیہ[2] ہے۔ علماء کا ایک گروہ اس خیال کا حامل ہے کہ عام کا مخصص نفس اجماع نہیں بلکہ دلیلِ اجماع ہے۔ علامہ شوکانی ؒ کی بھی یہی رائے ہے۔

جمہور فقہاء کے نزدیک انعقاد اجماع یا اس کی مخالفت میں عوام کی رائے معتبر نہیں کیونکہ وہ شرعیات میں اہل نظر شمار نہیں ہوتے۔ البتہ بعض متکلمین اجماع کی موافقت یا مخالفت میں عوام کی رائے کا اعتبار کرتے ہیں۔ اسی طرح کسی خاص فن میں اس فن کے ماہرین ہی کے اتفاق و اختلاف کو معتبر سمجھا جائے گا۔ ہر فن میں اہلِ اجتہاد ہی رائے دینے کے مجاز ہوتے ہیں ـــــ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آج کل کی قانون ساز مجالس کے ذریعے اجماع کا کام لیا جا سکتا ہے؟ ہماری نظر میں آج کل مسلمان ممالک کے قانون ساز اداروں کے ارکان بالعموم اور پاکستان کی اسمبلیوں کے ارکان بالخصوص مغربی علوم میں ماہر ہوں تو ہوں مگر ان کی معتد بہ اکثریت شریعت کی مبادیات تک سے نہ صرف نابلد ہوتی ہے بلکہ اسلامی قوانین کے بارے میں منافقانہ روش بھی رکھتی ہے۔ باقی ماندہ اقلیت اسلامی قوانین کے بارے میں اگرچہ مخلص ہوتی ہے مگر اُن میں بھی اکثریت اُن لوگوں کی ہے جو احکام کی علت کے استخراج، مقاصدِ دین اور مصالح شریعت سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ اس قسم کے تمام ارکان شرعیات کے ضمن میں عوام کے زمرے میں آئیں گے۔ اسلامی قوانین کے سلسلے میں اُن کی موافقت یا مخالفت کیا حیثیت رکھ سکتی ہے۔ اور اُن کے "اجماع" کو کیوں کر اجماع کہا جا سکتا ہے۔ یا اجماع مجتہدین کے خلاف اُن کی رائے کو کیسے وقعت دی جا سکتی ہے۔ ایسا اجماع عامۃ المسلمین کی نظر میں ہرگز وہ تقدس حاصل نہیں کر سکتا جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی مجالسِ شوریٰ کے اجماعی فیصلوں کو حاصل تھا۔

نیز تمام جمہوری ملکوں خاص طور پر پاکستان کی سیاسیات کا یہ المیہ ہے کہ سیاست دان درپیش قومی مسائل پر قومی اور دینی نقطۂ نظر سے غور کرنے کی بجائے گروہی نقطۂ نظر سے غور کرتے ہیں۔ بسا اوقات محض جماعتی یا علاقائی مفادات کی بنا پر ہمارے بہت سے سیاست دان اپنے ضمیر کے غلط کو "صحیح

[1] ارشاد الفحول للشوکانی ص ۱۶۱

[2] ایضاً

اور صحیح کو "غلط" کہہ دیتے ہیں ۔ ہماری پارلیمانی تاریخ اس پر گواہ ہے ۔ اس قسم کے ارکان جن کا "اجتہاد" اپنے تعصبات و مفادات میں محصور اور تقویٰ سے بالکل خالی ہو ووٹوں کی گنتی میں تو شمار ہو سکتے ہیں لیکن اُن کے " اجتہاد" کو مسلمانوں کا اجتماعی ضمیر اجماع کا تقدس نہیں دے سکتا ۔

جب تک قانون ساز اداروں اور مجالس میں اس قسم کے لوگ نہیں آتے جو علومِ جدیدہ اور علومِ شریعت پر کامل دسترس رکھنے کے ساتھ ساتھ تقویٰ میں بھی معروف ہوں اس وقت تک کسی خاص مسئلہ شرعی میں ماہرین کی رائے معلوم کرنے کے لیے یا تو کسی ایسے ادارے کا وجود ہونا چاہیے جو اس مسئلہ پر ماہرانہ رائے دے سکے یا عام سوال نامے کے ذریعے اسلامی قانون کے ماہرین کی رائے معلوم کی جائے ۔

ہماری نظر میں اس قسم کے اہتمام کے .... باوجود اس ادارے کی متفقہ رائے کو اس وقت تک اجماع کا نام نہیں دیا جا سکتا جب تک وہ رائے مشتہر ہو کر تمام اہلِ علم کی تائید حاصل نہ کر لے ۔ ہماری رائے میں پاکستان کی پارلیمانی تاریخ میں " قرار دادِ مقاصد "[1] اور " قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے" کو اجماع کی مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے ۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ یہ دونوں قرار دادیں قومی اسمبلی میں متفقہ طور پر منظور ہوئیں ۔ اور شاید ایسا ہوا بھی نہیں ۔ مگر ان دونوں قرار دادوں کو عوام اور اہلِ علم میں قبولیت عام کا ایسا شرف حاصل ہوا ہے کہ یہ دونوں دستاویز مقدس کا مقام حاصل کر گئی ہیں ۔ واللہ اعلم ۔

نیز یہ اجماع بھی " محدود اجماع " ہی ہو گا ۔ اس پر اجماعِ بسیط کا اطلاق نہ ہو گا ، جو تمام اُمت کے مجتہدین کے اتفاق سے منعقد ہوتا ہے ۔ اس قسم کے اجماع کا اہتمام ایک " اسلامی دولت مشترکہ" کے ذریعے کیا جا سکتا ہے ۔

مآخذ ۱ ۔ ارشاد الفحول ۔ علامہ شوکانی ؒ

۲ ۔ شرح الورقات فی اصول الفقہ ۔ جلال الدین المحلی ۔

---

[1] پاکستان کے تمام مکاتب فکر کے علماء کی ۲۲ نکاتی قرار داد کو بھی مجمع علیہ دستاویز کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے ۔

۳ ۔ اللمع فی اصول الفقہ ۔ شیخ ابو اسحاق شیرازی
۴ ۔ اصولِ فقہ ۔ شاہ اسمٰعیل شہید ۔
۵ ۔ اصول الشاشی
۶ ۔ نور الانوار شرح المنار
۷ ۔ کتاب الرسالۃ ۔ امام شافعیؒ ۔
۸ ۔ الفوائد الاصولیۃ الفقہیۃ ۔ ابن اللحام بعلی
۹ ۔ اصول فقہ ۔ علامہ خضری ۔
۱۰ ۔ فتاوی ابن تیمیہؒ جلد ۱۹ جلد ۲۰
۱۱ ۔ المحلّٰی ۔ ابن حزمؒ جلد ۱
۱۲ ۔ نیل الاوطار ۔ علامہ شوکانیؒ
۱۳ ۔ تحفۃ الاحوذی جلد ۲ جلد ۳
۱۴ ۔ سنن دارمی ۔ امام دارمیؒ
۱۵ ۔ اعلام الموقعین ۔ علامہ ابن قیمؒ ۔
۱۶ ۔ جمع الفوائد ۔ علامہ محمد بن محمد بن سلیمان فارسی ۔
۱۷ ۔ اسلامی ریاست ۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
۱۸ تفہیمات جلد دوم "
۱۹ ۔ تفہیم القرآن جلد دوم "
۲۰ ۔ المغنی جلد ۲ علامہ ابن قدامہ
۲۱ ۔ امام ابوحنیفہؒ ۔ ابو زہرہ ۔
۲۲ ۔ امام مالکؒ پروفیسر ابو زہرہ
۲۳ ۔ امام شافعیؒ "
۲۴ ۔ امام احمدؒ "
۲۵ ۔ امام ابن حزم "
۲۶ ۔ تنویر الحوالک شرح موطا امام مالک ۔ امام سیوطیؒ ۔
۲۷ ۔ تاریخ الخلفاء ۔ امام سیوطیؒ
۲۸ ۔ روح المعانی جلد ۱۰ علامہ آلوسیؒ
۲۹ ۔ کتاب الاموال جلد ۱ ۔ امام ابو عبیدہؒ
۳۰ ۔ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ۔ ڈاکٹر اقبالؒ
۳۱ ۔ تفسیر الکشاف ۔ علامہ زمخشریؒ
۳۲ ۔ تفسیر المراغی جزء ۴ علامہ احمد مصطفی المراغیؒ
۳۳ ۔ مفتاح الحاجۃ شرح سنن ابن ماجہ ۔

اسلامی ہیئتِ حاکمہ

(مولینا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ مغفور کی تحقیق کے مطابق)

جناب نعیم صدیقی صاحب

اسلامی تحریکات کے لئے ابتدائی تگ و دو اور طرح کی مشکلات رکھتی ہے۔ لیکن ان کا انقلابی عمل جب تکمیل کو پہنچتا ہے تو بالکل دوسری طرح کا ایک چیلنج سامنے آتا ہے۔ جہاں کہیں بھی کوئی اسلامی تحریک مزاحمتوں سے ٹکراتی ہوئی کامیابی تک جا پہنچتی ہے۔ یا وہ سیاسی اثر اندازی کے لئے کافی قوت پالیتی ہے۔ تو یکایک اس کے سامنے یہ سوال آ کھڑا ہوتا ہے کہ اب زندگی کے نظام اور اس کے شعبوں اور اداروں کی تشکیل نو ہونی چاہیئے۔ یہ سوال جب سامنے آجاتا ہے تو پھر اس کا جواب دینے کے لئے تاریخ زیادہ لمبی مہلت نہیں دیتی۔ وقت پر اگر جواب نہ دیا جائے اور تسکین بخش جواب نہ دیا جائے تو بنا ہوا کھیل بگڑ جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ جہاں جہاں اسلامی تحریکات چل رہی ہوں۔ ان کے ذہین عناصر زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق نئے نقشے پہلے سے مرتب کریں اور اس کام میں ایک دوسرے سے تعاون کریں۔ یہ کام اسلامی اصول و مقاصد کے فریم میں اس دور کے حالات و تجربات کو سامنے رکھ کر اجتہادی نقطۂ نظر سے قابلِ عمل صورتوں کو تجویز کرنے کا ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ مولینا سید ابوالاعلیٰ مودودی مغفور نے زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق اتنی رہنمائی بہم پہنچا دی ہے کہ کوئی بھی اسلامی قوت کسی بھی ملک میں اسلامی حکومت کے جملہ اداروں کو نئی شکل میں قائم کر کے چلا سکتی ہے۔

غالباً سب سے پہلا اور بڑا مسئلہ ہیئتِ حاکمہ کا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس موضوع پر سید مودودی مغفور کے مربوط نظامِ فکر کے اہم اجزاء کو یہاں پیش کر دوں۔

سب سے پہلے کسی بھی ہیئتِ حاکمہ کی اساس بننے والا نظریۂ سیاسی قابلِ توجہ ہوتا ہے۔ مولینا مودودی

کے نظریۂ سیاسی کو سمجھنے کے لئے ذیل کا اقتباس ملاحظہ ہو:

"دنیا میں فتنہ کی اصل جڑ اور فساد کا اصلی سرچشمہ انسان پر انسان کی خدائی ہے۔ خواہ وہ بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ۔ اسی سے خرابی کی ابتدا ہوئی۔ اور اسی سے آج بھی بس کے زہریلے چشمے پھوٹ رہے ہیں...... انسان کسی نہ کسی کو اللہ اور رب مانے بغیر رہ ہی نہیں سکتا.... اگر اللہ کو نہ مانے گا تب بھی اسے اللہ اور رب سے چھٹکارا نہیں ہے۔ بلکہ اس صورت میں بہت سے آلہہ اور ارباب اس کی گردن پر مسلط ہو جائیں گے۔ آج بھی آپ جدھر نگاہ ڈالیں یہی نظر آئے گا کہ کہیں ایک قوم دوسری قوم کی الٰہ ہے۔ کہیں ایک طبقہ دوسرے طبقوں کا الٰہ ہے۔ کہیں ایک پارٹی نے الٰہیت و ربوبیت کے مقام پر قبضہ کر رکھا ہے۔ کہیں قومی ریاست خدائی کے مقام پر براجمان ہے اور کہیں کوئی ڈکٹیٹر مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ اِلٰـهٍ غَيْرِيْ (میں نہیں جانتا کہ سوائے میرے کوئی اور تمہارا اللہ ہے) کی منادی کر رہا ہے انسان کسی ایک جگہ بھی اللہ کے بغیر نہ رہا۔" [۱]

آگے مولینا بتاتے ہیں کہ انسان کو انسانی خدائی یا الٰہیت سے نجات دلانے ہی کے لئے انبیاء مبعوث ہوئے۔ ملاحظہ ہو:

"یہی وہ بنیادی اصلاح تھی جو انبیاء علیہم السلام نے انسانی زندگی میں کی۔ وہ دراصل انسان پر انسان کی خدائی تھی جس کو مٹانے کے لئے یہ حضرات آئے۔...... ان کا مقصد یہ تھا کہ جو انسان انسانیت کی حد سے آگے بڑھ گئے ہیں۔ انہیں دھکیل کر پھر اس حد میں واپس پہنچا دیں، جو اس حد سے نیچے گرا دیئے گئے ہیں انہیں ابھار کر اس حد تک اٹھا لائیں اور سب کو ایک ایسے عادلانہ نظامِ زندگی کا پابند بنا دیں۔ جس میں کوئی انسان نہ کسی دوسرے انسان کا عبد ہو نہ معبود۔ بلکہ سب ایک اللہ کے بندے بن جائیں۔" [۲]

یہ ہے اسلامی نظریۂ سیاسی کی اصل و اساس۔ اور اس اساسی تصور کو ایک سیاسی اصول کی حیثیت

---

[۱] مضمون: "اسلام کا سیاسی نظریہ" مشمولہ اسلامی ریاست۔ ص۔ ۱۳۱ (اشاعت اوّل)

[۲] مضمون: "اسلام کا نظریہ سیاسی" مشمولہ اسلامی ریاست۔ ص۔ ۱۳۲ (اشاعت اوّل)

میں یوں پیش فرمایا ہے۔

" اس نظم کے مطابق حاکمیت Soveriegnty صرف خدا کی ہے۔ قانون ساز LAW GIVER صرف خدا ہے۔ کوئی انسان خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو۔ بذاتِ خود حکم دینے اور منع کرنے کا حق دار نہیں۔ نبی خود بھی اللہ کے حکم ہی کا پیرو ہے۔" لہ

متذکرہ اساسی کلیے سے تین اصول اخذ ہوتے ہیں۔ جو مولینا کے الفاظ میں یہ ہیں۔

۱۔ کوئی شخص خاندان، طبقہ یا گروہ بلکہ اسٹیٹ کی ساری آبادی مل کر بھی حاکمیت کی مالک نہیں ہے۔ حاکمِ اصلی صرف خدا ہے۔ اور باقی سب محض رعیت کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۲۔ قانون سازی کے اختیارات بھی خدا کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہیں۔ سارے مسلمان مل کر بھی نہ اپنے لئے کوئی قانون بنا سکتے ہیں۔ اور نہ خدا کے بنائے ہوئے کسی قانون میں ترمیم کر سکتے ہیں

۳۔ اسلامی اسٹیٹ بہر حال اس قانون پر قائم ہوگا جو خدا کی طرف سے اس کے نبی نے دیا ہے اور اس اسٹیٹ کو چلانے والی گورنمنٹ صرف اس حال میں اور اس حیثیت سے اطاعت کی مستحق ہو گی کہ وہ خدا کے قانون کو نافذ کرنے والی ہو۔" سے

ان اصولوں کو چلانے والی اسلامی ریاست کی اصطلاحاً آخر نوعیت کیا ہو گی۔ مروجہ ریاستی نظریات کے بالمقابل مولینا نے اسلامی ریاست کی جداگانہ حیثیت کو بہت منقح کر کے پیش کیا ہے۔

"...... یہ مغربی طرز کی لادینی جمہوریت Secular Democracy نہیں ہے ...... اس کے لئے زیادہ صحیح نام الٰہی حکومت ہے۔ جس کو انگریزی میں Theocracy کہتے ہیں۔ مگر یورپ جس تھیاکریسی سے واقف ہے۔ اسلامی تھیاکریسی اس سے بالکل مختلف ہے۔ یورپ اس تھیاکریسی سے واقف ہے جس میں ایک مخصوص مذہبی طبقہ Priest Class خدا کے نام سے خود اپنے بنائے ہوئے قوانین نافذ کرتا ہے اور عملاً اپنی خدائی

لہ مضمون: "اسلام کا نظریۂ سیاسی" مشمولہ اسلامی ریاست۔ ص ۳۵

سے ایضاً۔ ص۔ ۳۶۔ ۳۷

اس کے بندوں پر مسلط کرتا ہے۔ ایسی حکومت کو تو الٰہی حکومت کے بجائے شیطانی حکومت کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ بخلاف اس کے اسلام جس تھیا کریسی کو پیش کرتا ہے وہ کسی مخصوص مذہبی طبقہ کے ہاتھ میں نہیں ہوتی۔ بلکہ عام مسلمانوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اور یہ عام مسلمان اسے خدا کی کتاب اور رسولؐ کی سنت کے مطابق چلاتے ہیں۔ اگر مجھے ایک نئی اصطلاح وضع کرنے کی اجازت دی جائے تو میں اس طرزِ حکومت کو Theo-Deocraycm الٰہی جمہوریت کے نام سے موسوم کرونگا۔ کیونکہ اس میں خدا کے اقتدارِ اعلیٰ Paranountcy کے تحت مسلمانوں کو ایک محدود عمومی حاکمیت Limited Popular Sovereignty عطا کی گئی ہے۔ اس میں عاملہ executive اور مقننہ Legislature مسلمانوں کی رائے سے بنے گی۔ مسلمان ہی اس کو معزول کرنے کے مختار ہوں گے۔ ...... الٰہی قانون جہاں تعبیر طلب ہوگا، وہاں کوئی مخصوص طبقہ یا نسل نہیں۔ بلکہ عام مسلمانوں میں سے ہر وہ شخص اس کی تعبیر کا مستحق ہوگا جس نے اجتہاد کی قابلیت بہم پہنچائی ہو۔ ...... جہاں خدا اور اس کے رسولؐ کا حکم موجود ہو، وہاں مسلمانوں کے کسی امیر کو، کسی لیجسلیچر کو، کسی مجتہد، اور عالم دین، بلکہ ساری دنیا کے مسلمانوں کو مل کر بھی اس حکم میں یک سرِ مو ترمیم کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔"[1]

اسلامی نظامِ حکومت کے لئے "حدود اللہ" کی پابندی کی اہمیت کی وضاحت میں چند کلمات:۔

"یہ حدود زندگی کے ہر شعبہ میں چند اصول، چند ضوابط اور چند قطعی احکام پر مشتمل ہیں، جو اس شعبہ کے اعتدال و توازن کو برقرار رکھنے کے لئے لگائی گئی ہیں۔ ان کا منشا یہ ہے کہ یہ **تمہاری آزادی کی آخری حدیں ہیں**۔ ان کے اندر رہ کر تم اپنے برتاؤ کے لئے ضمنی اور فروعی ضوابط Regulations. بنا سکتے ہو، مگر ان حدود سے تجاوز کرنے کی تمہیں اجازت نہیں ہے ......۔ اللہ تعالیٰ نے اس طریقہ سے ایک ایسا مستقل، ناقابل تغیر و تبدل دستور Constitution بنا کر انسان کو دے دیا ہے۔ جو اس کی روحِ آزادی کو سلب اور اس کی عقل و فکر کو معطل نہیں کرتا ......۔ یہ حدیں انسان کے لئے زندگی کے سفر کا صحیح

---

[1] مضمون "اسلام کا نظریۂ سیاسی" مشمولہ اسلامی ریاست ص۔ ۳۷۔ ۳۸

رخ معین کرتی ہیں۔ اور ہر پیچ مقام، ہر موڑ اور ہر دوراہے پر اسے بتاتی ہیں کہ سلامتی کا راستہ اس طرف ہے۔" لہ

اس سلسلۂ کلام میں مولینائے مغفور نے جو مزید اہم نکات واضح کئے ہیں۔ وہ یہ ہیں:-

۱۔ اسلامی اسٹیٹ کا مقصد خدا نے یہ متعین کیا ہے۔ کہ اسے چلانے والے سیاسی و دماغی قوت سے کام لے کر کتاب الٰہی کی واضح آیات کے مطابق ٹھیک ٹھیک متوازی Well-Balanced نظام زندگی قائم کریں جو انسانیت کو اجتماعی عدل Social Justice سے بہرہ مند کرے۔

۲۔ اس اسلامی اسٹیٹ کا مقصد محض سلبی Negative نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایک ایجابی Positive مقصد اپنے سامنے رکھتا ہے۔ اس کا کام صرف افراد کو باہمی زیادتیوں سے بچانے اور بیرونی حملوں کی مدافعت کرنا ہی نہیں ہے بلکہ اسلام کے اجتماعی نظام عدل کو برپا کرنا، بدی کی ان تمام صورتوں کو مٹانا اور نیکی کی ان تمام شکلوں کو رائج کرنا ہے جن کو خدا نے اپنی واضح ہدایات میں بیان کیا ہے۔

۳۔ ظاہر بات ہے کہ متذکرہ بالا ایجابی نوعیت رکھنے والی اسٹیٹ اپنی ساخت میں ہمہ گیر ہوتا ہے...... یہ تمدن کے ہر شعبہ کو اپنے اخلاقی نظریہ اور اصلاحی پروگرام کے مطابق ڈھالنا چاہتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں کوئی شخص اپنے کسی معاملہ کو پرائیویٹ اور شخصی نہیں کہہ سکتا، ...... مگر ہمہ گیریت کے باوجود اس میں موجودہ زمانے کی کلی Totalitarian اور استبدادی Authoritarian حکومتوں کا سا رنگ نہیں ہے۔ اس میں شخصی آزادی سلب نہیں کی جاتی۔ اور نہ اس میں آمریت Dictatorshio پائی جاتی ہے

۴۔ ایسے اصولی و مقصدی اسٹیٹ کو صرف وہی لوگ چلا سکتے ہیں۔ جو اس کے خدائی دستور پہ ایمان رکھتے ہوں جنہوں نے اس کے مقصد کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا ہو ...... جو شخص بھی اسے قبول کرلے۔ خواہ وہ کسی نسل، کسی ملک، کسی قوم سے تعلق رکھتا

لہ مضمون: اسلام کا نظریۂ سیاسی۔ مشمولہ اسلامی ریاست ص۔ ۴۱ ،۴۳

ہو وہ اس جماعت میں شریک ہو سکتا ہے جو اس اسٹیٹ کو چلانے کے لئے بنائی گئی ہے اور جو اسے قبول نہ کرے اسے اسٹیٹ کے کام میں دخیل نہیں کیا جا سکتا۔

ان اصولی حقائق کو واضح کرنے کے بعد مولینا مودودی مغفور نے نظریۂ خلافت کو آیت استخلاف (النور ۵۵) سے اخذ کر کے نئے دور کے اندازِ بیان میں پیش کیا ہے۔

"پہلا نکتہ یہ ہے کہ اسلام حاکمیت کے بجائے خلافت Vicegerency کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ چونکہ اس کے نظریہ کے مطابق حاکمیت خدا کی ہے۔ لہٰذا جو کوئی اسلامی دستور کے تحت زمین پر حکمران ہو اُسے لامحالہ حاکمِ اعلیٰ کا خلیفہ ہونا چاہیئے وہ محض تفویض کردہ اختیارات delegated powers استعمال کرنے کا مجاز ہو گا۔"

"دوسری کانٹے کی بات اس آیت میں یہ ہے کہ خلیفہ بنانے کا وعدہ تمام مومنوں سے کیا گیا ہے . . . سب مومن خلافت کے حامل ہیں۔ خدا کی طرف سے جو خلافت مومنوں کو عطا ہوتی ہے وہ عمومی خلافت Popular Vicegerency ہے . . . . . . ہر مومن اپنی جگہ خدا کا خلیفہ ہے" [۱]

یہ دو حقیقتیں بہت ہی بنیادی ہیں اور ان کو تسلیم کرنے سے چند نتائج نکل کر سامنے آتے ہیں۔ ان نتائج کو مولینا مودودی کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ ایسی سوسائٹی جس میں ہر شخص خلیفہ اور خلافت میں برابر کا شریک ہو، طبقات کی تقسیم اور پیدائشی اور معاشرتی امتیازات کو اپنے اندر راہ نہیں دے سکتی۔ اس میں تمام افراد مساوی الحیثیت اور مساوی المرتبہ ہوں گے۔

۲۔ ایسی سوسائٹی میں کسی فرد یا گروہِ افراد کے لئے اس کی پیدائش یا اس کے معاشرتی مرتبے یا اس کے پیشے کے اعتبار سے اس قسم کی رکاوٹیں نہیں ہو سکتیں۔ جو اس کی ذاتی قابلیتوں کے نشوونما اور اس کی شخصیت کے ارتقاء میں کسی طرح بھی مانع ہوں . . . . . . اس کے لئے راستہ کھلا ہونا چاہیئے کہ اپنی قوت و استعداد کے لحاظ سے جہاں تک بڑھ سکتا ہے بڑھتا

---

[۱] مضمون "اسلام کا نظریۂ سیاسی" مشمولہ اسلامی ریاست۔ ص ۴۸، ۴۹

چلا جائے . . . . . "

۳۔ ایسی سوسائٹی میں
ہر شخص خلیفہ ہے۔ کسی شخص یا گروہ کو حق نہیں ہے کہ عام مسلمانوں سے ان کی خلافت کو سلب کر کے خود حاکمِ مطلق بن جائے۔ یہاں جو شخص حکمران بنایا جاتا ہے اس کی اصلی حقیقت یہ ہے کہ تمام مسلمان یا اصطلاحی الفاظ میں تمام خلفاء اپنی رضامندی سے اپنی خلافت کو انتظامی اغراض کے لئے اس کی ذات میں مرکوز Concentrate کر دیتے ہیں۔ وہ ایک طرف خدا کے سامنے جوابدہ ہے اور دوسری طرف ان عام خلفاء کے سامنے جنہوں نے اپنی خلافت اس کو تفویض کی ہے۔ اب اگر وہ غیر ذمہ دار مطاعِ مطلق بنتا ہے تو خلیفہ کے بجائے غاصب کی حیثیت اختیار کرتا ہے"۔ [۱]

۴۔ ایسی سوسائٹی میں ہر عاقل و بالغ مسلمان کو، خواہ وہ مرد ہو یا عورت رائے دہی کا حق حاصل ہونا چاہیئے اس لئے کہ وہ خلافت کا حامل ہے"۔ [۲]

یہاں تک کی گفتگو نے نظریاتی اور فلسفیانہ پہلو سے اسلامی ریاست کی ماہیت کو واضح کر دیا ہے مگر دوسرا سوال یہ سامنے آتا ہے۔ کہ اس کی ہیئت حاکمہ کی عملی تشکیل کیسے ہو؟ اور اس میں اولین مسئلہ سربراہِ ریاست کا ہے۔ کہ اسے کس طرح مقرر کیا جائے۔ اس سلسلے میں مولینا مودودی مغفور نے اصولوں کے ساتھ ساتھ دورِ رسالت اور دورِ خلافتِ راشدہ کی تاریخ پر بھی نظر ڈالی ہے۔ ان کا نقطۂ نظر یہ ہے

"سب سے اہم مسئلہ رئیس مملکت Head of the Stote کے تقرر کا ہے۔ جس کو اسلام میں امام، امیر اور خلیفہ کی مختلف اصطلاحوں سے یاد کیا جاتا ہے۔ . . . . . ہمارے موجودہ اسلامی معاشرے کا آغاز مکے میں کفر کے ماحول میں ہوا تھا اور اس ماحول سے لڑ کر اسلامی معاشرے کی ابتدا کرنے والے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ تھے۔ یہ اسلامی معاشرہ جب اپنے نظم اور سیاسی خود مختاری میں ترقی کر کے ایک اسٹیٹ بننے کی

---

[۱]۔ اسلامی ریاست۔ ص۔ ۴۹ تا ۵۱

[۲]۔ ایضاً۔ ص۔ ۵۳

منزل پہ پہنچا تو اس کے اولین رئیس بھی آنحضورؐ ہی تھے اور آپؐ لوگوں کے منتخب کردہ نہ تھے بلکہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور کئے گئے تھے۔" [1]

یہاں سے بحث کا آغاز کرکے مولینا نے خلفائے راشدین کے تقرر کا جائزہ لینے کے بعد آخری نتیجہ یہ نکالا ہے کہ:

"اسلامی مملکت میں صدر کا انتخاب عام لوگوں کی رضامندی پر منحصر ہے ، .... رہی یہ بات کہ مسلمانوں کی پسند کیسے معلوم کی جائے تو اس کے لئے اسلام میں کوئی خاص طریق کار مقرر نہیں کر دیا گیا ہے۔ حالات اور ضروریات کے لحاظ سے مختلف طریقے اختیار کئے جا سکتے ہیں۔" [2]

پھر مولینا مودودی مغفور نے مجلس شوریٰ کے متعلق بحث کا آغاز یوں کیا ہے:

"انتخابِ امیر کے بعد دوسرا اہم مسئلہ اہل الحل والعقد (یعنی مجلس شوریٰ کے ارکان) کا ہے کہ وہ کیسے چُنے جائیں گے اور کون ان کو چُنے گا۔ سرسری مطالعے کی بنا پر لوگوں نے یہ گمان کیا ہے کہ خلافت راشدہ میں چونکہ عام انتخابات General Elections کے ذریعے سے ارکان شوریٰ منتخب نہیں ہوتے تھے اس لئے اسلام میں سرے سے مشورے کا کوئی قاعدہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ بات بالکل خلیفہ وقت کی صوابدید پر چھوڑ دی گئی ہے کہ وہ جس سے چاہے مشورہ لے۔" [3]

اس غلط فہمی کی تردید کے لئے مولینا مودودی ایک بار پھر قرون اولیٰ کی تاریخ کی اس تعبیر کو سامنے لائے ہیں کہ:۔

"اسلام مکہ معظمہ میں ایک تحریک کی حیثیت سے اٹھا تھا۔ تحریکوں کے مزاج کا یہ خاصا ہوتا ہے کہ جو لوگ سب سے پہلے آگے بڑھ کر ان کو لبیک کہتے ہیں۔ وہی لیڈر کے رفیق ،

---

[1] ۔ اسلامی ریاست ۔ ص ۔ ۲۱۲

[2] ایضاً ۔ ص ۔ ۲۱۶

[3] ایضاً ۔ ص ۔ ۲۱۷

وست وبازو اور مشیر ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ اسلام میں بھی سابقین اولین تھے۔ وہ بالکل فطری طریقے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق اور مشیر قرار پائے...... پھر جب اس تحریک میں نئے نئے آدمیوں کا اضافہ ہونے لگا اور مخالف لوگوں سے اس کی کشمکش بڑھتی گئی تو ایسے لوگ خود بخود نمایاں ہوتے چلے گئے۔ جو اپنی خدمات، قربانیوں اور بصیرت و فراست کی بنا پر جماعت میں ممتاز تھے۔ ان کا انتخاب ووٹوں سے نہیں بلکہ تجربات اور آزمائشوں سے ہوا تھا۔ جو الیکشن کی بہ نسبت زیادہ صحیح اور فطری طریق انتخاب ہے۔"[۵۱]

ذرا سی توضیح مزید کے لئے فاضل مؤلف نے ہجرت اور سیاسی، فوجی اور تبلیغی مہمات کی اہمیت بتائی ہے کہ ان مراحل سے گزرنے والے اصحاب جماعت کے نمائندوں اور حضورؐ کے مشیروں کی حیثیت سے معاشرے کی نگاہوں میں آگئے۔ مولینا مودودی مغفور ان اکابر کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

"یہی وہ لوگ تھے جن کو "اہل الحل و العقد" (باندھنے اور کھولنے والے) کہا جاتا تھا اور جن کے مشورے کے بغیر خلفائے راشدین کسی اہم معاملے کا فیصلہ نہ کرتے تھے...... لہٰذا یہ گمان کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کہ خلیفۂ وقت من مانے طریقے پر جس کو چاہتا تھا مشورے کے لئے بلا لیتا تھا۔ اور کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ مستقل اہلِ شوریٰ یا اہل الحل و العقد کون ہیں جو قوم کے مسائل مہمہ کا فیصلہ کرنے کے مجاز ہیں۔"[۵۲]

اس موقع پر حاشیے میں مولینائے مغفور نے اس سوال کا جواب دیا ہے کہ اہلِ شوریٰ مدینے ہی کے لوگ کیوں ہوتے تھے؟ مولینا نے اس کی ایک وجہ یہ بتائی کہ مدینہ کی ریاست ایک قومی ریاست نہ تھی۔ بلکہ ایک عقیدہ و نظریہ کے برپا کردہ انقلاب کے نتیجے میں نمودار ہوئی تھی۔ اور جس مرکزی جماعت نے اس انقلاب کے عمل کو تکمیل تک پہنچایا تھا اس کے مردانِ خاص کو قیادت و نمائندگی کے لئے معاشرے میں اعتماد حاصل ہوا۔ دوسری مشکل یہ تھی کہ اگر اس زمانے میں موجودہ طریقِ انتخاب اور رائے دہی بالغان اور پولنگ بوتھ اور بیلٹ باکس سسٹم پہ کام کیا جاتا تو شمالی افریقہ سے افغانستان تک پھیلی ہوئی ریاست

۵۱۔ اسلامی ریاست۔ ص۔ ۲۱۹

۵۲۔ ایضاً۔ ص۔ ۲۲۰

میں اس وقت کے ذرائع و وسائل کے تحت انتخاب میں مہینے لگ جاتے۔ اور سارا نظام چوپٹ ہو جاتا۔
میں اس پہ بطور وضاحت مزید یہ اضافہ بھی کرنا چاہتا ہوں۔ کہ مدینہ کی اسلامی ریاست اگرچہ اصولاً یونان کی شہری ریاستوں کی سطح پہ نہ تھی۔ مگر عملاً ابتدائی مرحلے میں شہری ریاست سے ملتا جلتا انداز ہی اختیار کیا گیا۔ کیونکہ ایک بڑے شہر میں مرکزی جماعت جمع تھی اور وہاں مہاجرین و انصار کے مختلف قبائل کے سردار یکجا تھے۔ روایتہً چھوٹی چھوٹی بدوی آبادیاں شہری تمدن و سیاست کے ساتھ ہی چلتی تھیں۔ پھر اس وقت کا نظام قبیلوی نظام تھا۔ ہر قبیلے کے سردار ہی قبیلے کی سربراہی اور نمائندگی کے جملہ حقوق و اختیارات مرتکز ہوتے تھے۔ قبیلے کا کوئی دوسرا فرد اس کے مقابلے میں نہیں آسکتا تھا۔ بس جو قبائل اسلام لاتے یا تو ان کے سابق سردار ان کے نمائندے بنتے یا قبیلوں کے نومسلم گروہوں نے اپنے اندر کسی کو سردار مقرر کر لیا۔ آج قرونِ اولیٰ کے سے سادہ اور آسان طریقِ کار کو اختیار کرنا اس لئے بھی مشکل ہے کہ اس قبیلوی نظام کا موجودہ دور میں احیاء نہیں کیا جا سکتا۔ کچھ اور بھی بڑے بڑے فروق و اختلافات ہمارے زمانے کو قرونِ اولیٰ سے ہیں جن کی تفصیل ضروری نہیں ان وجوہ کو پیشِ نظر رکھ کر مولینا مودودی کے اس ارشاد کو سمجھا جا سکتا ہے کہ۔

"خلافت راشدہ کے اس تعامل، بلکہ خود اسوۂ نبویؐ سے جو با قاعدہ کلیہ مستند ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ امیر کو مشورہ ہر کس و ناکس سے یا اپنی مرضی سے چنے ہوئے لوگوں سے نہیں بلکہ ان لوگوں سے کرنا چاہئے جو عامۂ مسلمین کے معتمد ہوں۔ جن کے اخلاص و خیر خواہی اور اہلیت پر لوگ مطمئن ہوں ...... رہا یہ سوال کہ عوام کے معتمد لوگ کیسے معلوم کئے جائیں تو ظاہر ہے اس چیز کے معلوم کرنے کی جو صورت آغاز اسلام کے مخصوص حالات میں تھی۔ آج وہ صورت نہیں ہے اور اس زمانے کے تمدنی حالات میں جو مواقع موجود تھے وہ بھی آج موجود نہیں ہیں۔ اس لئے ہم آج کے حالات اور ضروریات کے لحاظ سے وہ تمام ممکن اور مباح طریقے اختیار کر سکتے ہیں۔ جن سے یہ معلوم کیا جا سکے کہ جمہورِ قوم کا اعتماد کن لوگوں کو حاصل ہے، آج کے انتخابات بھی جائز طریقوں میں سے ایک ہیں۔ بشرطیکہ ان میں وہ ذلیل ہتھکنڈے استعمال نہ ہوں جنہوں نے جمہوریت کو ایک مذاق بنا کر رکھ دیا ہے۔"

متذکرہ اقتباس سے ظاہر ہے کہ مروجہ طریق انتخاب کو بعض اصلاحات کے ساتھ اختیار کیا جا سکتا ہے

اختیار کیے جاسکتے ہیں تک بات محدود نہیں، کروڑوں افراد کی آبادیوں کی مملکتوں میں، اب انتخابی طریقے کے علاوہ کوئی اور راستہ ہی نہیں ہے۔ پھر تبدیلیٔ احوال کے ساتھ ساتھ ذہنی تبدیلیوں کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ حکومتی نظام کے بے شمار تجربوں کی تاریخ ہمارے سامنے ہے، ایک وسیع حکمت سیاسیات Political Scince تشکیل پاچکی ہے اور کئی انتخابی سسٹم آزمائے جاچکے ہیں۔ موجودہ دور میں انتخابی طریق کو اگر چھوڑ دیا جائے تو آمریت سے ویسے ویسے صرف اعیانی نظام حکومت کا ایک تصور رہ جاتا ہے کہ کچھ اکابر اور دانشور حکومت بنائیں اور چلائیں کسی بھی اجتماعی ہیئت کو جاری کرتے ہوئے، یہ خیال رکھنا اشد ضروری ہوتا ہے کہ اُسے عوام کا اعتماد حاصل ہو۔ وہ اگر بادلِ ناخواستہ یا شکوک و شبہات کے ساتھ کسی ہیئت کو قبول کریں تو ثمرے سے وہ نتیجہ حاصل نہیں ہوسکتا جو اُوپر کی بحثوں کا منشا ہے۔ مثلاً اعیانی حکومت اس دور میں نہیں چل سکتی، کیونکہ وہ جس ماحول سے متعلق تھی وہ باقی نہیں ہے۔ آج تعلیم اور رسل و رسائل کے فروغ اور ذرائع ابلاغ کی توسیع کا زمانہ ہے۔ اس میں یونان کے ماضی کو زندہ نہیں کیا جاسکتا۔

اسی طرح امریکہ کے صدارتی نظام کو بھی اسلامی اصولوں کے تحت ردّوبدل کر کے عمل میں لایا جاسکتا ہے، مگر وہ مروجہ پارلیمانی سے زیادہ پیچیدہ اور مشکل نظام ہے۔ جس کا انحصار توازنات اور مزاحمتوں پر ہے۔ اس موضوع پر پہلے بہت بحثیں ہوچکی ہیں۔ ہاں جبری ذرائع سے اسے جاری کیا جاسکتا ہے، اگر یہ طریقہ مفید نہیں ان اشارات کو مدِنظر رکھ کر، اگر ہر قسم کے خطرات سے احتیاط کرتے ہوئے قوم کے معتمد علیہ حضرات کی کوئی ٹیم کسی بھی ایسے طریق انتخاب کا نقشہ تیار کر دے جو اسلامی نظام سیاست کے فریم میں نصب ہوسکے تو ھو المراد۔

اصل میں کسی بھی طریق انتخاب کے تحت اسلامی نقطۂ نظر سے تعمیری نتائج حاصل کرنے کے لیے چند دوسری اصلاحات کے ساتھ یہ ضروری ہے کہ رائے دہیٔ بالغاں کے حق کو سلب کیے بغیر اس حق کے لیے تھوڑی سی لازمی شرائط رکھ دی جائیں، مثلاً کم سے کم حد تک ایک تعلیمی معیار، صوبوں کی حد تک

پرائمری پاس یا تعلیم بالغاں کے کورس کے فارغ شدہ افراد کو ووٹر تسلیم کیا جائے اور مرکزی اسمبلی کے ووٹروں کے لیے مڈل یا میٹرک پاس ہونا لازم کر دیا جائے۔ دوسری طرف بعض قانونی جرائم، سماجی مفاسد اور اخلاقی عیوب کے لحاظ سے بھی ووٹر کی جانچ ہونی چاہیے۔ یہ اب بھی ہے، ذرا سا اہتمام زیادہ کیا جا سکتا ہے۔

بعد ازاں اُمیدواروں کا معاملہ ہے (یہاں مروجہ اصطلاح استعمال کی گئی ہے، حالانکہ اسلام میں اُمیدواری ممنوع ہے) یہاں پابندیاں نسبتاً زیادہ بڑھا دینی چاہییں۔ اور نااہلیت کے وجوہ بھی پہلے سے مروجہ وجوہ سے زیادہ سخت ہونے چاہییں۔

اس سے اُوپر وزرا آتے ہیں۔ وزارت میں لیے جانے والے افراد کے لیے دینی، اخلاقی اور علمی لحاظ سے معیار خاصا اُونچا ہونا چاہیے۔ بلکہ یہ دیکھا جانا چاہیے کہ آیا کسی شخص کی کچھ تبلیغی، تنظیمی، تصنیفی یا سوشل خدمات ہیں یا نہیں۔ ان مناصب پر آنے والوں کو نہ صرف عقائد، عبادات اور اخلاق کے لحاظ سے پوری طرح مسلمان ہونا چاہیے، اُن کی زندگیوں کو غیر مسرفانہ ہونا چاہیے اور معاملات و مسائل میں اُن کا نقطۂ نظر اسلامی ہونا چاہیے۔

سب سے کڑا معیار صدر اور وزیراعظم کے لیے ہونا چاہیے۔ ان لوگوں کے افکار اور کردار کو ایک اسلامی ریاست کے اعلیٰ ترین ذمہ داروں کے شایانِ شان ہونا چاہیے۔

اگر یہ معیارات صحیح طور پر متعین ہو جائیں اور سختی سے اُن کی پابندی کی جانے لگے تو فی نفسہٖ رائے دہیِ بالغاں سے زیادہ خرابی نہیں آسکتی۔ رائے دہیِ بالغاں میں خرابی جعلی ووٹنگ یا ووٹروں کو دباؤ، فریب اور لالچ سے ضمیر کے خلاف فیصلہ کرنے پر مجبور کرنے سے آتی ہے۔ ان چیزوں کا بڑی حد تک سدباب کیا جا سکتا ہے۔

اُمید ہے کہ اس گفتگو سے واضح ہو گیا ہوگا کہ مولانا مودودی مغفور نے اسلامی نظریۂ سیاسی کو کس طرح سمجھا۔ اور ہیئت حاکمہ کی تشکیل کے لیے کیا خطوط تجویز کیے۔ اگرچہ اس بحث سے متعلق چند اور نکات بھی ہیں مگر اُن کو لیا جائے تو بات پھر بہت پھیل جائے گی۔

مغربی تہذیب کا بحران

جناب ریاض الحسن نوری ایم۔اے

(۲)

.....سب سے تشویشناک حالت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ ۱۹۰۰ء کے بعد سے نابالغوں میں جرائم تیزی سے بڑھ رہے ہیں...... یہ حالت صرف امریکہ ہی میں نہیں پائی جاتی، اس لیے خاص امریکہ کے حالات پر اس کی ذمہ داری نہیں ڈالی جا سکتی۔ ۱۹۳۵ء کے ایام میں روس میں بھی یہ وبا ہر طرف پھیل گئی تھی۔ اور یہ مسئلہ کٹھن صورت اختیار کر گیا تھا۔ چند سال پہلے اس نے ایسی تشویشناک صورت اختیار کر لی کہ حکومت نے ۱۲ سالہ مجرموں کو بھی موت کی سزا دینی شروع کر دی۔ ہمارے خیال میں کوئی حکومت بھی ایسی ظالمانہ سزا اس وقت تک نہیں مقرر کر سکتی جب تک کہ وہ سخت حالات سے دوچار نہ ہو جائے[1]

ایک اور چیز جس سے مغرب کی حد درجہ غم زدہ زندگی کا پتہ چلتا ہے وہ منشیات کے استعمال کی کثرت ہے۔ جس کا استعمال غم غلط کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ منشیات کے علاوہ مغرب میں غم غلط کرنے کے لئے ہزاروں ٹن مسکن ادویات (Tranqualizer) بھی استعمال کئے جاتے ہیں امریکہ میں ۱۹۶۲ء میں ۲۵۰ ملین ڈالر یعنی ڈھائی عرب روپے کی مسکن ادویہ استعمال ہوئیں۔ انگلینڈ میں بھی انکا استعمال بڑھتا جا رہا ہے[2]

---

(1) PP. 416,38 ibid

(2) P. 149. Drugs Doctors and disease

Walter C. Reckless ماہرین کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ واشنگٹن کے
ایک فوٹوگرافر کی بیوی ہر ماہ ۵۰ ڈالر یعنی ۵۰۰ روپے مسکن ادویات پر خرچ کرتی ہے۔ دوائیوں کی
کمپنی کو مسکن ادویات سے پچھلے سال ٹیکس ادا کرنے کے بعد آمدنی (net income) ۳۴۳ ملین ڈالر
(یعنی تین ارب ۴۳ کروڑ روپے) ہوئی۔
مسکن ادویات کی فروخت کو ترقی دینے کی خاطر امریکہ کی ایک کمپنی نے محض پروپیگنڈا کی ڈاک
کے لئے ایک موقع پر یکبارگی ایک لاکھ ڈالر یعنی دس لاکھ روپے خرچ کئے۔[1]
امریکہ میں جمہوریت آزادی اور مساوات کے ڈنکے بجتے ہیں۔ مگر حکومت عوام کے ساتھ یہ سب
زیادتیاں اور ظلم محض اس خاطر برداشت کرتی ہے۔ کہ حکومت کو بھی بذریعہ ٹیکس بھاری آمدنی ہو جاتی
ہے۔ یہی ٹیکس کا تاریک ترین پہلو ہے۔ حیرت اور افسوس کا مقام ہے۔ کہ مغرب کی جمہوریتوں کو بھی عوام
کی بہبود سے حقیقی دلچسپی نہیں۔ اگرچہ منافقت اور دکھاوے کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور کیا جاتا ہے۔ ایک
تو مغرب کے لوگ دکھ بھری زندگیاں گزارنے کی وجہ سے پہلے مسکن ادویات کے محتاج ہیں مگر ڈرگ
کمپنیاں اور حکومت اپنی تجوریاں بھرنے کے لئے عوام کو اس سے کہیں زیادہ مقدار میں مسکنات کھلاتے
ہیں جتنی کہ ان کو حقیقی ضرورت ہوتی ہے۔ اور پھر اس کثرت استعمال کی وجہ سے ان کے اعصاب کا
اور ستیاناس ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح ایک شیطانی چکر (viscions circle) چلا دیا گیا
ہے۔ حکومت کا تو حال ہی یہ ہے کہ

؎ مرتے کو مارے شاہ مدار

---

(1) PP. 369, 371. The Crime Problem, by Walter. C. Reckless.

Micligan یونیورسٹی کے Paul H. Horton اور فلوریڈا
یونیورسٹی کے Geral K. Leslie لکھتے ہیں۔ دس سال پہلے امریکہ کے تمام ہسپتالوں میں
جتنے لبستر تھے ان پر تقریباً نصف تعداد دماغی مریضوں کی ہوتی تھی۔ مگر اب دماغی مریضوں کی تعداد ہسپتالوں
میں داخل مریضوں میں کا ۷۰ فیصد یعنی ایک تہائی سے زیادہ ہے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ ہسپتال میں
داخل لینے والے دماغی مریضوں کی تعداد جتنی گھٹی ہے، ہسپتال میں باہر سے آکر علاج کرانے والے
دماغی مریضوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔ مثلاً جہاں پہلے باہر کے دماغی مریض
Ont patients ڈیڑھ ملین تھے تو اب تین ملین ہو گئے ہیں[1] پس ثابت ہوا کہ آج کل امریکہ
میں دماغی مریضوں کی تعداد دیگر تمام بیماریوں کے مریضوں سے کہیں زیادہ ہے۔ شماریات سے پتہ
چلتا ہے۔ کہ انگلینڈ کا حال بھی ایسا ہی ہے۔

جرائم سے بھی کسی سوسائٹی کی خوشی یا غمی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یاد رہے کہ سوشلسٹ فن لینڈ
میں تمام دنیا سے زیادہ قتل ہوتے ہیں۔ World Almanac سے آپ کو پتہ چلے گا۔ کہ
امریکہ میں ہر سال ۲۰ ہزار سے زیادہ قتل ہوتے ہیں۔ ۱۹۷۳ء میں زنا بالجبر کے ۵۱۰۰۰ واقعات
ہوئے۔ یعنی روزانہ ۱۴۰ خواتین کی بالجبر عصمت دری کی گئی۔ یہ ۱۹۷۳ء کے شماریات ہیں۔ اب تو اور
بھی تعداد بڑھ چکی ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ اصل تعداد اس سے دوگنی یعنی ۳۰۰ روزانہ ہے۔ کیونکہ
بہت سی خواتین بدنامی وغیرہ کے خوف سے رپورٹ نہیں کرتیں۔ ہر سال ۴ لاکھ ڈاکے اور ۲۵ لاکھ مکانوں
میں چوریاں ہوتی ہیں۔ ۴ لاکھ سے زیادہ اشخاص پر راہ چلتے حملے ہوتے ہیں۔ ہر سال ۹ لاکھ سے زیادہ
کاریں چوری ہوتی ہیں۔ یعنی ڈھائی ہزار کاریں روزانہ چوری ہوتی ہیں۔ یہ سب جرائم بھی ہوتے ہیں۔ مگر
وہاں کی حکومت عوام سے دبا کر ٹیکس وصول کرتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ٹیکس دینے والے بھی ٹیکس
کے معاملے میں خوب فراڈ کرتے ہیں۔ World Almanac کے مطابق ہر سال ۲۵ ہزار افراد
خودکشی کرتے ہیں۔ ہر منٹ کوئی نہ کوئی خودکشی کی کوشش کرتا ہے۔ کبھی کامیاب اور کبھی ناکام۔ تفکرات اور
غموں کی وجہ سے ہر سال تقریباً گیارہ لاکھ آدمی امراض قلب وغیرہ کا شکار ہو کر راہی ملک عدم ہوتے ہیں۔ اس

(1) P. 528 The Sociology of Social Problems

کے مقابلہ میں پاکستان میں بمشکل ۲۰۰ سالانہ افراد خودکشی کی موت مرتے ہیں۔ امریکی صنعت کو الکوہل ازم یعنی شرابیوں کی وجہ سے ہر سال چار ارب سے سات ارب ڈالر (یعنی چالیس ارب سے ستر ارب روپے) کا خسارہ ہوتا ہے۔[1]

شاپ لفٹنگ | امریکہ میں سپر مارکیٹ یعنی بڑی بڑی دوکانوں پر طرح طرح کے آلات لگے رہتے ہیں مبادا کہ گاہک دوکانوں سے چوری نہ کریں۔ مگر اس کے باوجود گاہک دوکانوں پر سے اندھا دھند چوریاں کرتے ہیں W.C. Reckless کے الفاظ یہ ہیں۔

...... the customers have been stealing supermarkets blind

ماہرین کے مطابق ہر سال اس طرح دوکانوں سے ۲۵۰ ملین ڈالر (یعنی ڈھائی ارب روپے) کا مال چوری کر لیا جاتا ہے۔[2]

ریڈرز ڈائجسٹ میں ایک مضمون چھپا تھا۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ جتنا مال دوکانداروں سے گاہک چوری کر کے لے جاتے ہیں یعنی ڈھائی ارب روپے، اتنا ہی دوکانوں کے بے ایمان ملازم مالکان کی دولت سے خرد برد کر لیتے ہیں یعنی پانچ ارب روپے صرف ان دو طریقوں سے چوری جاتا ہے۔ مگر دوکاندار بھی کیا کرتے ہیں۔ وہ اس سب نقصان کا حساب لگا کر اپنی مال کی قیمت بڑھا دیتے ہیں۔ اگرچہ بعض دوکانداروں کو بھی دیوالیہ بننا پڑتا ہے۔ مگر اکثر یہ سب نقصان عام گاہکوں سے پورا کر لیا جاتا ہے۔ جس میں غیر ملکی گاہک بھی ہوتے ہیں۔ جن کو یہ مال ایکسپورٹ کیا جاتا ہے۔

قمار بازی | جیسا کہ ہم اپنے ایک سابقہ مضمون میں بیان کر چکے ہیں کہ قرآن نے شراب و قمار کو ایک ہی آیت میں بیان کیا ہے۔ جس طرح بعض لوگ شراب کے ایسے عادی بن جاتے ہیں کہ چھوڑ نہیں سکتے اسی طرح کچھ لوگ قمار بازی کے بھی ایسے ہی عادی بن جاتے ہیں۔ شراب چھڑانے کے لئے جیسے مغربی دنیا میں Alcoholis Anonymus کی قسم کی انجمنیں بنائی گئی ہیں۔ اسی طرح جوا چھڑانے کے لئے بھی Gambler's Anonymus کی انجمنیں بھی ۱۹۵۷ء سے بنائی ــــــــــــ

---

(1) P. 31 AWAKE dated 22 Nov. 1968.

(2) P. 165 The Crime Problem by Walter W. Reckless.

گئی ہیں [1] قمار بازی حکومت کی اجازت سے بھی ہوتی ہے۔ اور حکومت کو اس طریقے سے بھاری آمدنی ہوتی ہے۔ اس لئے حکومت قمار بازی پر ٹیکس حاصل کرنے کے شوق میں اس پر قدغن نہیں لگاتی۔ یہاں بھی وہی پادریوں کا پرانا اصول کام کرتا ہے کہ ہمیں ٹیکس دیتے رہو تو پھر جرم ہو کہ گناہ۔ تم کو کوئی گزند نہ پہنچے گا۔ لیکن جہاں حکومت کی اجازت سے قمار بازی ہوتی ہے۔ وہاں حکومت کی اجازت کے بغیر چوری چھپے بھی قمار بازی ہوتی ہے۔ امریکہ وغیرہ میں تو مجرموں کی بڑی بڑی انجمنیں قائم ہیں جو مال و دولت میں چوٹی کے سرمایہ داروں سے کسی طرح کم نہیں۔ ان کی زیادہ تر آمدنی کا ذریعہ یہی قمار بازی ہے۔

پال ہارٹن اور جیرالڈ آر۔ لیس لائی لکھتے ہیں کہ نیو یارک سٹی میں خلاف قانون قمار بازی ۱.۷ بلین ڈالر (یعنی ۱۷ بلین روپے) کی ہوتی ہے۔ امریکن پریذیڈنٹ کی کمیشن کی تحقیقات سے پتہ چلا کہ امریکہ میں ۱۹۶۷ء میں کل قمار بازی ۵۰ بلین ڈالر (۵۰۰ بلین روپے) کی ہوئی، جو خلاف قانون طریقوں سے ہوئی اور ۵ بلین ڈالر کی قمار بازی قانونی حدود کے اندر ہوئی۔ پھر مصنفین لکھتے ہیں۔

کوئی بیس سال ہوئے ایک محقق نے اندازہ لگایا تھا کہ جوئے سے جو آمدنی ہوتی ہے امریکہ کی چوٹی کی ایک سو بڑی بڑی کمپنیوں کے مجموعی منافع سے زیادہ ہوتی ہے۔ جن میں ایسے بڑے بڑے کاروباری دیو بھی شامل ہیں۔ جیسے جنرل موٹرز، جنرل الیکٹرک اور یونائیٹڈ سٹیٹس سٹیل کارپوریشن۔ یہ صرف جوئے کی کچھ اقتصادی تباہ کاریاں ہیں۔ جو انسانوں کی ذاتوں کو اس سے نقصان پہنچتا ہے۔ کہ ان کی زندگیاں تباہ ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اور سوسائٹی کو سوشل و اخلاقی گھن جو لگتا ہے۔ وہ نقصانات اس اقتصادی نقصان سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ ان کا کہنا یہ

1- P. 549 The Sociology of Social Problems by Paul B. Horton and Gerald R. Leslie

۲- یعنی اصل اور بڑے سرمایہ دار وہ مجرموں کے گروہ ہیں جو جوئے کے کاروبار کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ اور یہ گروہ امریکہ میں چھائے ہوئے ہیں۔ ان کا اثر و رسوخ اور سرمایہ کی وجہ سے نفوذ اتنا ہے کہ منظم پیمانے پر قتل و لوٹ مار کرتے ہیں۔ مگر پولیس اور عدالتیں ان کا بال بیکا نہیں کر سکتیں۔

ہے۔ کہ یہ بھاری آمدنی جو سالانہ دس بلین ڈالر (سو بلین روپے) کے برابر ہوتی ہے۔ کیا منظم مجرموں کے خزانوں میں اس کا رہنا جاری رہنا چاہیئے۔ تاکہ وہ اس دولت کے ذریعے سرکاری افسروں اور پولیس کے عہدہ داروں کو رشوت کی عادت ڈال کر ان کو گھن لگاتے رہیں۔

...... وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر قمار بازی پر سے بالکل پابندی ہٹالی جائے تو اس سے رشوت ستانی نہ صرف یہ کہ کم نہ ہوگی بلکہ اور بڑھ جائے گی۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ قمار بازی بطور بالواسطہ ٹیکس[1] کے مثالی ترقی معکوس ہے۔ جس کا اثر غریبوں پر اس سے کہیں زیادہ شدید ہوتا ہے جتنا کہ دولت مندوں پر ہوتا ہے۔

قمار بازی کو سرکاری خزانے کے لئے آمدنی کا ذریعہ بنانے اور اس کو بڑھانے کی نئی سوچ نے قمار بازی کی مخالف طاقتوں کو کند کر دیا ہے۔ غور تو کرو کہ یہ قماری بازی ان ساٹھ لاکھ انسانوں کی زندگیوں کو کیسے تباہ کرتی ہے۔ جو قمار بازی کی لت سے اتنے مجبور ہو جاتے ہیں کہ وہ جوا کھیلنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ ...... لمبے عرصے میں یہی ہوتا ہے کہ جواری ہارتا ہے اور نقصان ہی اٹھاتا ہے ...... یہ بالکل سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ جن لوگوں کو عام حالات سے زیادہ قنوطیت اور ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ قمار بازی کو بطور فرار کے اختیار کرنے میں دوسروں سے زیادہ آسانی سے مبتلا ہو جاتے ہیں ..... جو لوگ قمار بازی کو سرکاری آمدنی کے ذرائع کے طور پر اس کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کو جان لینا چاہیے کہ جو لوگ عادت سے مجبور ہو کر جوا کھیلتے ہیں۔ وہ اور ان کے خاندان اس آمدنی کی خفیہ طور پر بھینٹ چڑھتے

۱۔ اس سارے اقتصادی نقصان کا تمام خمیازہ بہر حال عوام ہی کو بھگتنا پڑتا ہے اور یہ ساری رقم عوام ہی کی جیبوں سے جاتی ہے اور ان کا اقتصادی، اخلاقی، نفسیاتی اور روحانی جو نقصان ہوتا ہے اس کو سوچ کر بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مجرموں کے منظم گروہ اس دولت سے کوکین، ہیروئن، چرس وغیرہ امپورٹ کر کے، اسکولوں کے معصوم بچوں سے لے کر دفتروں کے ملازموں تک کو ان تباہ کن منشیات کا عادی بنا کر ان کو طرح طرح سے جرم کرنے نشے کی لت پوری کرنے کیلئے دولت پر مجبور کرتے ہیں یا وہ خود مجبور ہو کر ایسا کرتے ہیں۔

مزید یہی مصنفین لکھتے ہیں ۱۔

یعنی اصل کی نسبت لوگوں کا دھیان اس طرف کم ہو جاتا ہے۔ مگر قمار بازی خلاصے چلنے پر ریفل اور بنگو کے کھیلوں کے ذریعے جاری رہتی ہے۔ جیسے چرچ سرکاری ادارے اور فلاحی ادارے بطور اپنی آمدنی کے عوام میں رائج کرتے ہیں۔

گذشتہ حکومت نے کراچی میں کلفٹن کے قریب ایک بڑا کسینو تیار کرنے کا پروگرام بنایا تھا جس کی بلڈنگ اب خالی پڑی ہے۔ اور کراچی میں امپریس مارکیٹ کے باہر لاؤڈ اسپیکر پر ریفل سے متعلق اعلانات ہوتے رہتے ہیں پھر انعامی بانڈ بھی حکومت کی سرپرستی جاری ہیں جو قمار بازی اور سود کا مرکب ہے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ جو مسلمان قوم دنیا میں دوسروں کی اصلاح کے لئے معرض وجود میں آئی تھی، وہ خود دوسروں کی نقالی میں مبتلا ہو گئی ہے۔

؎ زندہ باد اے مرگ عیسٰی آپ ہی بیمار ہے۔

منشیات اور قمار بازی کی مماثلت قرآن نے ۱۴۰۰ سال پہلے بیان کر دی تھی۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ۔

ہم موضوع پر.... الگ لکھ چکے ہیں۔ اس لئے تکرار کی حاجت نہیں۔

اگر مسلمان یہ سوچیں کہ اللہ تعالیٰ نے منشیات، قمار بازی اور سود کو حرام کر کے مسلمانوں بلکہ انسانوں پر جو عظیم احسان کیا ہے تو اندازہ ہوگا کہ یہی ایک احسان اتنا بڑا ہے کہ کوئی انسان ساری عمر عبادت کر کے صرف اس ایک احسان اور نعمت کا شکر ادا نہیں کر سکتا۔ ان تینوں چیزوں سے یورپ کی سوسائٹی جس عظیم عذاب میں مبتلا ہے۔ اور ان کی جڑیں کہاں کہاں پہنچ کر کس طرح تباہی مچا رہی ہیں اس پر تحقیق ہونی چاہیے۔ یورپ میں جو ان پر کام ہوا ہے اس کو پڑھ لینے ہی سے واضح تصویر سامنے آ جاتی ہے۔ کہ انسان کے منہ سے بے اختیار اللہ اکبر نکل جاتا ہے۔

مگر افسوس کہ مسلمان خود اسلام کی خوبیوں سے بے خبر یورپ کی نقالی کر رہے ہیں

---

(1). PP 546—550 The Sociology of Social Problems

رسائل و مسائل

عبداللہ بن اُبیّ کا جنازہ

ملک غلام علی صاحب

سوال :- سورۂ توبہ کی آیت ۸۴ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝

ترجمہ :- اور آئندہ ان میں سے جو کوئی مرے اس کی نماز جنازہ تم ہرگز نہ پڑھنا، اور نہ کبھی اس کی قبر پر کھڑے ہونا۔ کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے۔ اور وہ مرے ہیں اس حالت میں کہ وہ فاسق ہیں۔

اس کی تفسیر میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم تفہیم القرآن میں رقمطراز ہیں :-

"تبوک سے واپسی پر کچھ زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین مر گیا۔ اس کے بیٹے عبداللہ بن عبداللہ جو مخلص مسلمانوں میں سے تھے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کفن میں لگانے کے لئے آپ کا کرتا مانگا۔ آپؐ نے کمال فراخ دلی سے عطا کر دیا۔ پھر انہوں نے درخواست کی کہ آپؐ ہی اس کی نماز جنازہ پڑھائیں۔ آپؐ اس کے لئے بھی تیار ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے باصرار عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ کیا آپؐ اس شخص کی نماز جنازہ پڑھیں گے جو یہ اور یہ کر چکا ہے۔ مگر حضورؐ ان کی یہ سب باتیں سن کر مسکراتے رہے اور اپنی اس رحمت کی بنا پر جو دوست اور دشمن سب کے لئے عام تھی، آپؐ نے اس بدترین دشمن کے حق میں دعائے مغفرت کرنے میں تامل نہ کیا۔ آخر جب آپؐ نماز

پڑھانے کھڑے ہی ہو گئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اور براہِ راست حکم خداوندی سے آپؐ کو روک دیا گیا۔ کیونکہ اب یہ مستقل پالیسی مقرر کی جا چکی تھی کہ مسلمانوں کی جماعت میں منافقین کو کسی طرح پنپنے نہ دیا جائے۔ اور کوئی ایسا کام نہ کیا جائے جس سے اس گروہ کی ہمت افزائی ہوتی ہو۔"

آپ نے تفہیم القرآن کی تفسیر ملاحظہ فرمائی۔ لیکن اس کے برعکس تفسیر شبیر احمد عثمانی میں مذکور ہے کہ "رسول اللہ نے عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ بھی پڑھائی۔ اس کے منہ میں اپنا لعاب مبارک بھی ڈالا۔ اور اس کے لئے دعائے مغفرت بھی فرمائی"۔

اسی طرح مولانا ابوالکلام آزاد ترجمان القرآن میں لکھتے ہیں کہ "جب عبداللہ بن ابی کا انتقال ہوا تو اس کے لڑکے نے آپؐ سے درخواست کی کہ کفن کے لئے اپنا پیراہن عطا فرمائیں اور نماز جنازہ پڑھائیں۔ تو آپؐ نے درخواست قبول کر لی"۔

لیکن یہاں اس بات کی تفصیل نہیں ہے کہ حضورؐ نے صرف درخواست ہی قبول فرمائی یا نماز جنازہ بھی پڑھائی۔ جبکہ مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب تو لکھتے ہیں کہ نماز پڑھائی۔ لعاب مبارک اس کے منہ میں ڈالا۔ اور دعائے مغفرت بھی فرمائی۔ اور مولانا مودودی مرحوم لکھتے ہیں کہ نماز پڑھانے کھڑے ہوئے مگر براہِ راست حکم خداوندی سے آپ کو روک دیا گیا۔

اب پوچھنا آپ سے یہ ہے کہ تحقیقی بات کیا ہے کہ حضورؐ نے عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھائی اور آئندہ کے لئے آپؐ کو کسی منافق کی نماز جنازہ پڑھانے سے روک دیا گیا۔ یا حضورؐ کو نماز پڑھانے سے قبل ہی روک دیا گیا۔ اور حضورؐ نے عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی۔؟

جواب:۔ زیادہ صحیح اور قوی الاسناد احادیث اس امر کی تائید کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن اُبی کی نماز جنازہ پڑھائی بعد میں آپؐ کو سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۸۴ کی رو سے منافقین کی نماز جنازہ پڑھانے سے روک دیا گیا۔ اور آپ نے آئندہ کسی ایسے منافق کا جنازہ خود نہیں پڑھایا جس کا منافق ہونا بالکل واضح اور آنحضورؐ کو معلوم تھا۔ لیکن بعض روایات ایسی بھی ہیں۔ جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آپؐ نے ابن اُبی کا جنازہ نہیں پڑھایا یا آپ پڑھانا چاہتے تھے مگر آپؐ کو بذریعہ وحی اس سے منع کر

دیا گیا۔ جن احادیث میں آنحضورؐ سے نماز جنازہ پڑھانا مروی ہے۔ وہ بخاری مسلم اور صحاح ستہ میں موجود ہیں۔ مثلاً صحیحین کی کتاب الجنائز میں متعدد ایسی احادیث ہیں۔ بخاری شریف، باب الکفن فی القمیص میں حضرت ابن عمرؓ کی پہلی حدیث میں بیان ہے کہ ابن ابی کے صاحبزادے نے باپ کے مرنے پر درخواست کی کہ آپؐ اپنا قمیص عنایت فرمائیں اور جنازہ پڑھائیں۔ آپؐ نے آمادگی ظاہر فرمائی تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو منافقین کا جنازہ پڑھانے سے منع نہیں فرما دیا۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ مجھے اختیار دیا گیا ہے کہ پڑھاؤں یا نہ پڑھاؤں۔ چنانچہ آپؐ نے جنازہ پڑھایا اور اس پہ آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

لیکن اس کے بعد اسی باب کی دوسری حدیث جو حضرت جابرؓ سے مروی ہے وہ یوں ہے:۔

اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عبد اللہ بن ابیّ بعد ما دفن فاخرجہ فنفث فیہ من ریقۃ والبسہ قمیصہ۔

(نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تشریف لائے جبکہ جنازہ دفن ہو چکا تھا۔ آپؐ نے اُسے نکالا۔ اس پہ اپنا لعاب مبارک ڈالا۔ اور اپنا قمیص اس کے کفن سے لگا دیا۔)

اس حدیث میں آنحضورؐ سے جنازہ پڑھانا مذکور نہیں اور اس کا مذکور نہ ہونا بہت اہم اور قابل غور ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضورؐ کی تشریف آوری میں تاخیر کے باعث جنازہ کی تدفین ہو چکی یا کم از کم اسے قبر میں اتار دیا گیا تھا کہ آپؐ تشریف لائے۔ نماز جنازہ دفن سے پہلے پڑھایا جا چکا ہو گا مگر آپؐ نے مرنے والے کے صاحبزادے اور ان کے قبیلے کی دلجوئی اور تالیف قلب کی خاطر اپنے لعابِ دہن اور جامۂ مبارک سے میت کو نوازا۔ یہ آنحضورؐ کے غایت درجہ اخلاق کریمانہ اور عفو و درگزر کا اظہار تھا۔ لیکن آئندہ کیلئے آنحضورؐ کی ذاتِ اقدس کو اس سے روک دیا گیا کہ آپؐ کسی منافق کا جنازہ پڑھائیں یا اس کی قبر ہی پہ دعا یا تعزیت کے لئے کھڑے ہوں۔ شارحین حدیث نے حضرت جابرؓ سے مروی اس حدیث اور دوسری احادیث میں اس طرح تطبیق دینے کی کوشش کی ہے کہ آنحضورؐ نے جب میت کو نکلوا کر غیر معمولی عنایت کا انداز اختیار فرمایا۔ تو نماز بھی پڑھائی ہو گی۔ مگر حضرت جابرؓ نے اس کا ذکر نہیں کیا اور یہ امر مستبعد معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کے تشریف لانے سے پہلے جو تدفین ہو رہی تھی۔ وہ نماز جنازہ پڑھے بغیر ہو رہی تھی۔ نماز جنازہ پہلے ہوتی ہے اور تدفین کا مرحلہ بعد میں آتا ہے۔

دوسری حدیث جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت لَا تُصَلِّ عَلَیْھِمْ۔ جنازہ پڑھنے سے پہلے نازل

ہو گئی تھی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر جنازہ پڑھانے سے رک گئے تھے، وہ حضرت انسؓ سے مروی ہے۔ مجمع الزوائد، جز ثالث صـ ۴۳ باب نہی عن الصلوٰۃ علی المنافقین کے تحت یہ روایت یوں درج ہے۔

عن انس بن مالک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اراد ان یصلی علی عبد اللہ بن ابی فاخذ جبریل بثوبہ۔ فقال لَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْھُمْ وَلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِہٖ۔ رواہ ابو یعلی وفیہ یزید الرقاشی وفیہ کلام وقد وثق۔

حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کا جنازہ پڑھنے کا ارادہ فرمایا۔ تو جبریلؑ نے آپؐ کا دامن پکڑا اور وحی سنائی۔ لَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْھُمْ.....

یہ روایت مسند ابی یعلی میں مروی ہے۔ اس کا ایک راوی یزید بن ابان رقاشی ہے۔ جس پر بعض محدثین نے جرح کی ہے اور بعض نے اس کی توثیق کی ہے۔

اسی روایت کو امام ابن جریر نے اپنی تفسیر سورۂ توبہ میں پوری سند کے ساتھ یوں بیان کیا ہے۔

حدثنی احمد بن اسحٰق قال حدثنا ابو احمد قال حدثنا سلمۃ عن یزید الرقاشی عن انس ان.....

حضرت جابرؓ سے جو روایت اوپر صحیح بخاری سے نقل کی گئی ہے وہ تھوڑے سے بہت لفظی اختلاف کے ساتھ مسند احمد اور دوسری کتابوں میں بھی درج ہے۔ اور وہاں بھی حضرت جابرؓ نے یہ بیان نہیں کیا کہ نماز جنازہ آنحضورؐ نے پڑھائی۔ مسند احمد ج ۳ صفحہ ۳۷۱ کی ایک روایت درج ذیل ہے۔

لما مات عبد اللہ بن ابی اتی ابنہ النبی صلی اللہ علیہ فقال یارسول اللہ انک ان لم تاتہ لم نزل نعیر بھذا فاتاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوجدہ قد ادخل فی حفرتہ فقال افلا قبل ان تدخلوہ فاخرج من حفرتہ فتفل علیہ من قرنہ الی قدمہ والبسہ قمیصہ۔

جب عبداللہ بن ابی مر گیا۔ تو اس کے صاحبزادے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ اگر آپ جنازے پر تشریف نہیں لائیں گے تو ہمارے لئے یہ باعث عار ہوگا۔ پس

آنحضورؐ تشریف لائے مگر اُس وقت اسے قبر میں داخل کیا جا چکا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: تدفین سے پہلے مجھے کیوں نہ آگاہ کیا؟ پھر آپؐ نے اسے گڑھے میں سے نکالا، اس کے سارے جسم پہ لعاب ڈالا اور اپنا قمیص پہنایا۔ بہرکیف ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ آپؐ نے صرف لعاب اور قمیص عطا فرمایا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ آپؐ نے نماز جنازہ پڑھانے کا ارادہ فرمایا ہو۔ مگر پڑھانے سے پہلے ہی وحی نازل ہو گئی ہو۔ جیسا کہ شروع میں عرض کر دیا، صحیح تر احادیث میں جنازہ پڑھانے کا ذکر موجود ہے اور اس میں بھی کوئی اشکال نہیں۔ کیونکہ اس جنازے سے پہلے صرف کفار و مشرکین کے لئے دعا سے منع کیا گیا تھا جہاں تک منافقین کا تعلق ہے۔ دنیوی اعتبار سے یہ مسلمان معاشرے میں شامل تھے اور معاشرتی حقوق سے مسلمانوں کے مانند فائدہ اٹھا رہے تھے، اس لئے جب تک آنحضورؐ کو منافقین کا جنازہ پڑھنے سے قطعی صراحت کے ساتھ نہیں روکا گیا تھا، آپؐ کو پڑھنے نہ پڑھنے دونوں کا اختیار تھا۔

اصل حقیقت جو لائق توجہ اور باعث عبرت ہے وہ یہ کہ ایک منافق کے حق میں اللہ کے رسول کی دعائے مغفرت بھی قابل قبول نہیں اور منافق کی قبر میں اگر خدا کے نبی کا پیرہن اور لعاب دہن بھی رکھ دیا جائے۔ تب بھی یہ تبرکات منافق کو دوزخ کی آگ سے نہیں بچا سکتے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کلمہ گو کو شرک و نفاق کی آلودگی سے بچائے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی توفیق بخشے۔ آمین

مطبوعات

ماہنامہ حیاتِ نو
مجدد سید مودودیؒ نمبر
مدیر مسئول: انصار احمد فلاحی
مقام اشاعت: جامعۃ الفلاح
بلریا گنج۔ اعظم گڑھ۔ بھارت
ضخامت ۱۲۰۔ قیمت ۵/- روپے

ماہنامہ حیاتِ نو بھارت میں اسلامی قدروں کا نقیب ہے یہ خاص نمبر مولٰینا سید ابوالاعلیٰ مودودی مغفور کی رحلت پر شائع کیا گیا ہے۔ اس میں کچھ تو پاکستانی جرائد کے اقتباسات ہیں کچھ نئے مضامین نظم و نثر بھی۔ خاص طور پر ایک مضمون "آسمانِ اصلاح و تجدید کے دو ستارے" توجہ چاہتا ہے۔ اس میں مولٰینا الیاس مرحوم اور مولٰینا مودودی مغفور کے یہاں سے اقتباس لے کر دکھایا گیا ہے کہ دونوں کے مقصد اور کام میں کوئی بنیادی ٹکراؤ نہ تھا۔ البتہ بعد میں کچھ دوسرے اصحاب نے خواہ مخواہ تلواریں سونت لیں۔ حضرت مولٰینا الیاس مرحوم کا مقصد لوگوں کو کلمہ نماز پڑھانے تک محدود نہ تھا۔ اپنے عزیز ظہیر الحسن کو خط میں لکھتے ہیں کہ "میرا مدعا کوئی پاتا نہیں، لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ تحریک صلوٰۃ ہے۔ میں قسم سے کہتا ہوں کہ ہرگز تحریک صلوٰۃ نہیں ہے۔ ایک نئی قوم پیدا کرنی ہے"۔ (ص۔ ۵۲) پھر ایک صحبت میں فرمایا! "کلمہ و نماز کی تعلیم و تلقین گویا ہمارے پورے نصاب کی ا، ب، ت ہے"۔ اس مضمون سے ظاہر ہوتا ہے کہ نصب العین کے لحاظ سے اور اپنے بڑے مقاصد کے لحاظ سے دونوں بزرگ ایک ہی سا نقطہ نظر رکھتے تھے۔ افسوس کہ اُن کے کارکنوں کے درمیان دیواریں کھڑی کر دی گئی ہیں جنہیں ڈھانے والا کوئی نہیں۔ نعیم احمد فلاحی (بھارت) نے مولٰینا کے جنازے کا آنکھوں دیکھا حال خود لکھا ہے۔ (ص ۶۶) مولٰینا سید ابوالاعلیٰ مودودی مغفور کے چار مکتوب بھی شامل اشاعت ہیں (ص ۴۲، ۴۳)۔ جناب کوثر اعظمی و منصف اعظمی کی طویل حزنیہ نظمیں اہمیت رکھتی ہیں۔ ابوالمجاہد زاہد صاحب نے آزاد نظم بعنوان "سورج ڈوب گیا" لکھی ہے (تینوں نظمیں ص ۷۶، ۸۵)۔

میرا خیال ہے کہ اب رسائل بھارت سے آنے لگے ہیں۔

اندھیارے اجالے
مؤلف: آباد شاہ پوری ایڈیٹر اُردو ڈائجسٹ
ناشر: مکتبہ چراغ اسلام۔ اُردو بازار۔ لاہور
قیمت: ۵۰/۲۲ روپے۔ صفحات: ۲۸۸

جاننے والے جانتے ہیں کہ آباد شاہ پوری (بعض لوگ "آباد شاہ" کو نام اور "پوری" کو اضافہ نسبتی سمجھتے ہیں گا۔ جن کی ظاہری شخصیت بڑی آنسں کربلی سی معلوم ہوتی ہے۔ دل بیدار، للہ کی آگ کو تیز کرنے والا نفسِ گرم، اندھیروں میں راہ دکھانے والا دماغ روشن اور رواں رفتار وقت کے ساتھ چلنے والا قلم رکھتے ہیں جو آدھی رات کے بعد بھی بہ مشکل اپنی نثر تمنویٔ لشنواز نے کو روکتا ہے۔

مختصر سے جسم کے ساتھ اس شخص کو جو قد آور رُوح اللہ تعالیٰ نے دی ہے اس کا ایک پرتو "اندھیارے اُجالے" میں ملتا ہے۔ یہ کتاب ایسے مضامین کا مجموعہ ہے جو ملت کی دینی و دنیوی فلاح کے لیے ایک سنجیدہ و متین شخصیت نے بڑی خیر خواہی کے ساتھ دل میں اترنے والے اسلوب میں لکھے ہیں۔ یہ ایسے مضامین ہیں جن کے لیے چھوٹے چھوٹے واقعات یا خبری اطلاعات یا گذرے ہوئے تاریخی لمحات کی یادیں محرک بنی ہیں۔ جیسے حسن نظامی مچھر یا جھینگر سے بات شروع کرتے اور قارئین کو تصوف اور سیاست کے دائروں میں جا پہنچاتے۔ اسی طرح آباد شاہ نے چھوٹے منہ سے بڑی بات کہنے کے بجائے، بڑے منہ سے کوئی چھوٹی بات بطور تمہید چھیڑی اور پھر دیکھتے دیکھتے وہی چھوٹی بات بڑی بات بن کر دُور دُور تک چھا گئی ہے، کتنی ہی وقت کی غلط فہمیوں کے دامن انہوں نے تار تار کر دیے ہیں اور کتنے ہی لاینحل مسائل کو چٹکی بجاتے میں حل کر دیا ہے۔ کیونکہ اُن کے ہاتھ میں قرآن کی مشعل ہے۔ اور اس کی آیات کی کرنیں حقیقتوں کے چہروں کو نمایاں کرتی جاتی ہیں۔

کاغذ اور آرٹ کارڈ کے رنگین ٹائیٹل کے علاوہ کتابت و طباعت ایسی خوبصورت ہے جیسی اُن کی باتیں۔

اس کتاب کو دس بارہ سال کے بچے، خواتین اور عام تعلیم یافتہ لوگ اپنے لیے یکساں مفید پائیں گے۔

تذکرۂ پیراں پاگاڑہ
مؤلف: تبسم چودھری
پبلشر: سید سردار علی شاہ۔ کنگری پرنٹرز بیل خانہ روڈ، ٹنڈو ولی محمد، حیدر آباد
قیمت: -/۱۵ روپے۔ صفحات: ۲۷۰

ہماری ملی تاریخ کے لٹریچر میں یہ کتاب ایک قیمتی اضافہ ہے۔ اس کی قدر و قیمت اس بنا پر بڑھ جاتی ہے کہ سندھ میں مخالف جانب کا جو ذہن تاریخ کو مسخ کر رہا ہے، اس کو چیلنج کرنے کی یہ کوشش بڑی اہم ہے۔ کتاب کی

ابتدا میں خاندان کی تاریخ کے اس ابتدائی سوال کو اٹھایا گیا ہے کہ خاندان کے بزرگ اعلیٰ سید علی بن سید عباس بن شاہ زید (امام موسیٰ کاظم تک) برصغیر میں کب آئے اور کیوں؟

کتاب میں ضروری سوالوں سے اس حقیقت کے مختلف پہلو واضح کیے گئے ہیں۔ خلاصہ کے طور پر کہا جا سکتا ہے کہ سید صاحب کی آمد فروغِ اسلام کے لیے تھی۔ پھر آگے اس خانوادے کا تاریخی پارٹ بڑی اہمیت اختیار کر جاتا ہے۔ تحریک مجاہدین کے قافلے کی گزرگاہ سرزمین سندھ بنی۔ اور خود پاگاڑہ خاندان تحریک کے لیے گہوارۂ امن بنا۔ حضرت سید احمد شہیدؒ کے اہل خانہ اس خانوادے کے مہمان رہے۔

اس تحریک مجاہدین کے بالکل متوازی، اسی مجاہدانہ رنگ میں سید صبغۃ اللہ شاہ نے حُر تحریک کو منظم کیا اور تحریک مجاہدین کے خاتمے کے بعد حُر انگریزی استبداد کے خلاف حرکت میں آئے ۱۸۵۷ء کے معرکے میں بھی حُروں نے حصّہ لیا۔ پھر حُروں اور انگریزوں کے درمیان سید صبغۃ اللہ شاہ اوّل کے دور سے کشمکش چلتی رہی۔ یہاں تک کہ پیر سید مردان شاہ اوّل کے دور میں تصادم زور پکڑ گیا۔ آخر میں سید صبغۃ اللہ شاہ ثانی کا دور آیا۔ انھوں نے جذبۂ آزادی کے تحت انگریزوں کے خلاف کارروائیاں تیز تر کر دیں۔ جنگ عظیم ثانی چھڑ گئی۔ اور ایک طرف سے ہٹلر اور دوسری طرف سے جاپان نے برطانوی حکومت کو پریشان کر رکھا تھا۔ اس زمانے میں سید صاحب کو پہلے کراچی میں نظر بند رکھا گیا۔ پھر مقدمہ چلایا گیا اور ۲۰ مارچ ۱۹۴۳ء کو پھانسی دے دی گئی (غفر اللہ لہٗ) موجودہ پیر صاحب جو اس وقت کم عمر صاحبزادے تھے اُن کو انگلینڈ بھیجا گیا تاکہ وہاں کے نظامِ تعلیم اور نظامِ معاشرہ سے اُن کے دل و دماغ کو بدل دیا جائے۔

اس کتاب کو جو بھی مسلمان پڑھے گا وہ آج بھی اس خانوادے سے اقامتِ دین اور آزادیٔ اسلام اور وحدتِ ملک اور مدافعتِ نظریہ ہائے فاسدہ کے لیے اسی کردار کی امیدیں کرے گا جو اس کا طرۂ امتیاز رہی ہیں اور ہمیں یہ اُمید بھی کرنی چاہیے کہ پاگارہ پیر گوٹھ میں جذبہ ہائے اسلاف کے تمام ایمانی چراغ روشن رہیں گے

ایک چھوٹی سی کتاب میں مؤلف نے ضروری تاریخی مواد کو بڑی خوبی سے جمع کر دیا ہے۔

پاکستان، معیشت اور سیاست
مؤلف: جناب محمود مرزا۔ ایڈووکیٹ
(انکم ٹیکس پریکٹیشنر)
ناشر: تعمیر پبلیکیشنز۔ رگارڈی ٹرسٹ بلڈنگ
تھارنٹن روڈ۔ لاہور
قیمت مجلد ۱۵/- روپے۔ پونے دو سو صفحات

اس طرح کے موضوعات پر لکھنے والے کم ہیں۔ کبھی کبھی کوئی قابل توجہ کتاب نمودار ہو جاتی ہے۔ ایسی ہی کتاب "پاکستان، معیشت اور سیاست" (ترقیاتی سٹریجی کے تقاضے) ہے۔

محمود مرزا تعلیم، مطالعہ اور پیشہ کے لحاظ سے ملکی معیشت پر برسوں سے خصوصی توجہ رکھتے ہیں اور قوم کے لیے ان کے حساس قلب و دماغ میں درد موجود ہے۔ پہلے بھی وہ مختلف مواقع پر مضامین و مقالات لکھتے رہے ہیں۔ جہاں تک میں جانتا ہوں وہ ملکی ترقی اور عوامی فلاح و بہبود کو علم المعیشت میں مرکزی اہمیت دیتے ہیں۔

ان دنوں جب کہ سیاست سے بڑھ کر معیشت کا مسئلہ ہمارے ہاں الجھا ہوا ہے۔ اس میدان میں کام کرنے کی بہت ضرورت ہے۔ یہ "بہت ضرورت" کم پیمانے پر پوری ہو رہی ہے۔ یعنی اکا دکا کوئی کتاب چھپ جانے سے تو حق ادا نہیں ہو سکتا۔ بہر حال مرزا صاحب نے یہ کتاب لکھ کر سنسان فضا میں گویا ایک سپوتنک چھوڑ دیا ہے۔ اس کے بعض ابواب لاہور کے ایک ہفت روزے میں شائع ہو چکے ہیں۔

ایسی کتابوں پر تبصرہ لکھنے کے لیے پہلے ان کو پوری طرح پڑھنا اور پھر ان کی بحثوں کی تہ میں اترنا ضروری ہوتا ہے۔ فی الحال میں تبصرہ لکھنے کی ہمت تو نہیں کر سکتا، تعارفی کلمات کہہ سکتا ہوں۔

کتاب کو سمجھنے کے لیے بڑا مسئلہ مؤلف کے نقطۂ نظر کا ہوتا ہے۔ اور بالعموم لکھنے والے اسے خود ہی آغاز میں واضح کر دیتے ہیں۔ مرزا صاحب کا نقطۂ نظر حسب ذیل نکات پر مشتمل ہے۔

۱۔ اسلامی ممالک بالخصوص پاکستان کی اپنی ایک تخصیص بھی ہے کہ یہاں مغربی طرز جمہوریت کی حامی قوتیں جمہوری جدوجہد سے اپنے فکر کے مطابق اسلام کا انقلابی نظام رائج کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔" (ص ۷)

۲۔ "کسی ملک کی معاشی ترقی اس کے معاشرے کے مجموعی اصلاح اور ترقی ہی سے ممکن ہے۔" (ص ۷)

۳۔ معیشرت[1] (SOCIO-ECONOMICS) کی ترقی، سائیٹفک نظریے، سیاسی استحکام اور مخلص قائدین کی رہنمائی کا تقاضا کرتی ہے"۔ (ص۔ ۷)

۴۔ "ہم ایسا طریقۂ کار اختیار کریں کہ دوگونہ مقاصد حاصل ہو سکیں۔ اوّل یہ کہ افرادی قوت کو ثمر آور روزگار میسر آسکے اور دوم یہ کہ قدرتی وسائل کا بھرپور اور سائنٹفک استعمال کیا جائے"۔ (ص۔ ۸)

۵۔ "خواص و عوام کے درمیان بود و باش کے فرق کو کم کیا جائے اور پسماندہ طبقات کے لیے تعلیم اور ملازمت کے یکساں مواقع فراہم کیے جائیں"۔ (ص۔ ۸)

کتاب میں ترقیاتی عمل کا جائزہ ایوب خانی دور سے لے کر اب تک کے عہد کا لیا گیا ہے اور انداز ناقدانہ ہے۔ ہر مسئلے کے اعداد و شمار ساتھ ہیں، زرعی ہوں یا صنعتی، تجارت درآمد و برآمد کے ہوں یا بیرونی قرضہ کے۔ ان کی مدد سے ہر شخص مؤلف کی رایوں کو جانچ بھی سکتا ہے اور اپنی رائے بھی متعین کر سکتا ہے۔

مختلف ادوار کا جائزہ لیتے ہوئے مؤلف نے پیپلز پارٹی کے دور کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ پیش لفظ میں ہی یہ اشارہ موجود ہے کہ "پیپلز پارٹی نے معیشت جیسے سنجیدہ اور فنی شعبے کے بارے میں انتہائی عامیانہ اور غیر ذمہ دارانہ رویہ اختیار کیا"۔

پھر جب باب دوم میں اس دور پر بحث کی تو زرعی، صنعتی، مالیاتی اور قرضوں کے تمام پہلوؤں سے تجزیہ کر کے کی۔ اس باب کے آخری حصے میں محمود صاحب نے صاف صاف لکھا ہے کہ:

"بھٹو کیوں ناکام ہوا؟ اس سوال کا جواب اس کا کمزور کردار اور ڈرامائی سیاست کا وہ انداز تھا .... اس کے قول و فعل میں تضاد جو اس کی سیاست کا طرۂ امتیاز تھا، معیشت کے لیے تباہ کن ثابت ہوا۔ اس کی بے اصولی نے اعتماد کی وہ فضا ختم کر دی جس میں کوئی تعمیری عمل وقوع پذیر ہو سکتا تھا۔ بھٹو نے ایک بار پھر ثابت کر دیا کہ معاشی تعمیر کسی فکری تخریب کار کے ذریعے نہیں ہو سکتی، جو حکمران قوم کی اخلاقی اقدار

[1] غالباً یہ نئی اصطلاح مؤلف نے وضع کی ہے، مگر کاوش مزید سے کوئی بہتر صورت نکالنی چاہیے۔

کو تباہ کر کے قوم میں بد دلی اور کام چوری کے احساسات کو پروان چڑھائے۔ اس سے تعمیر کی توقع کرنا عبث ہے..... بھٹو کی نمایاں خصوصیت اس کی ہمہ جہتی بدعنوانی تھی۔ وہ خود بدعنوان تھا چنانچہ اس نے اپنے ساتھی بھی وہ منتخب کئے جو بدعنوان تھے..... اس نے معاشرے میں بدعنوانی کی عام فضا پیدا کی اور بدعنوانی ہی کو سیاسی حربے کے طور استعمال کیا۔" ص۔ ۳۶

آخری تین ابواب معاشی ترقی اور توازن کے نظام کے لئے ایک موزوں سیاسی قیادت کو لازم قرار دیتے ہیں۔ یہ بحث صفحہ ۱۴۲ سے ۱۷۶ تک چلی گئی ہے۔ ان ابواب کے مندرجات پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا خلاصہ بیان کرنا مشکل ہے۔ البتہ ایک دلکش اور معنی خیز جملہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

"سیاست اگرچہ دماغ کا کھیل ہے۔ مگر بے ضمیری کا نہیں!"

اس کتاب کو میں اگر پسند کرتا ہوں یا اس پہ تعارفی سطور لکھ رہا ہوں تو اس لئے نہیں کہ میں اس کے حرف حرف پہ ایمان لے آیا ہوں۔ کئی مواقع اختلاف بھی ہیں۔ مگر اتنی بات واضح ہے کہ یہ قابل استفادہ ہے اور ہر عام پڑھے لکھے آدمی کے لئے قابل استفادہ ہے۔ اس میں آپ کے لئے آسمان پرواز بحثیں اور چٹانی الفاظ و اصطلاحات یا الجبرائی فارمولوں اور اقلیدسی گرافوں میں سے کوئی بھی بوجھ بننے والی چیز موجود نہیں ہے۔

ذکری ڈائجسٹ (نومبر ۷۹ء)
مدیر۔ محمد یوسف اصلاحی۔ مرتب، سعید اختر۔
۱۱۳ صفحات۔ سادہ رنگین ٹائٹل
قیمت فی شمارہ ۳/۔ سالانہ ۲۵/۔
دفتر۔ گھیر سیف الدین خاں۔ رام پور بھارت

تجارت میں بھی صاف ستھرے ذوق کے تعمیر پسند نوجوانوں نے ڈائجسٹ دائرے میں قدم رکھا ہے۔ اس شمارے کے خاص مضامین پروفیسر برہان الدین ربانی کا انٹرویو، کمیونزم میں اسلامی تحریک، یاد سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، حضرت حمزہؓ بن مطلب، حضرت علی مرتضیٰؓ، افسانوں میں "مکان کا مسئلہ" اور "مظلوم کی بد دعا" وغیرہ اچھی کوششیں ہیں۔ شعر و نغمہ کا شعبہ الگ ہے، عربی سیکھیں بھی مستقل عنوان ہے۔ خواتین کے لئے تین چار مضامین الگ ہیں۔ یہاں کے ڈائجسٹوں کی شوخیوں کا پیمانہ تو الگ ہے۔ مگر بھارت میں کچھ نوجوانوں کا ابتدائی کام جس رنگ میں سامنے ہے وہ بڑا امید افزا ہے۔

بقیہ اشارات :۔ ج ۔ پندرھویں صدی کے افتتاح کے موقعے پر چند ایسے وظائف کا اجراء کیا جائے جو گریجوایشن کے درجے کے غریب مگر قابل طلبہ کو دیئے جائیں ۔ نیز اسلام کے لئے علمی و ادبی کام کرنے والے بعض ایسے بزرگوں کو جو ساٹھ سال کی عمر سے تجاوز کر چکے ہوں ۔ یا کسی حادثے یا بیماری کی وجہ سے معذور ہو گئے ہوں ، خصوصی اعزازی پنشنیں دینے کا اعلان کیا جائے ۔

د ۔ ختم ہونے والی صدی کی چند بہترین کتابوں پر خصوصی انعامات دیئے جائیں جو اسلام کے فروغ کے لئے لکھی گئی ہوں ۔ اور جنہیں ایسے افراد کا بورڈ پاس کرے جس میں علماء اور جدید اہلِ فکر دونوں شامل ہوں ۔

ہمارا سرمایۂ ماضی قابلِ فخر ہے اور ہم مستقبل کے دروازے پر دستک دیتے ہوئے خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں فکر اسلامی اور اخلاق اسلامی اور اتحاد اسلامی سے بہرہ اندوز فرما کر اس امر کا موقع دے کہ ہم عالم اسلام میں جا بجا نظام اسلامی کا احیاء کر کے جہاں اپنی فلاح کا سامان کریں ، وہاں پوری دنیائے انسانیت کو حقیقی امن اور عدل کا راستہ دکھانے کا ذریعہ بنیں ۔ آمین ۔

خریدار تفہیم القرآن توجہ فرمائیں

تفہیم القرآن جلد اول ایڈیشن سولہواں جون ۱۹۷۶ء میں صفحہ ۵۴۴ دو دفعہ چھپاں ہو گیا ہے ۔ اب اس کی تصحیح کے لیے ادارہ ہذا نے الگ سے صفحہ بھیجنے کا انتظام کیا ہے ۔ جن حضرات کے پاس مذکورہ ایڈیشن ہے ۔ وہ خط لکھ کر منگوالیں

محمد صلاح الدین مدیر "جسارت" کی گرانقدر اور بلند پایہ تصنیف

بُنیادی حقوق

پیش لفظ

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

ولایتی کاغذ ــــ آفسٹ طباعت ــــ خوبصورت کور

سائز ۱۸×۲۲/۸ ــــ صفحات ۳۳۶

ڈوسرا ایڈیشن

ڈیلکس ایڈیشن ــــ ۲۷/ روپے

پیپر بیک ــــ ۲۰/ روپے

اِدارہ ترجمانُ القرآن ○ اِچھرہ ○ لاہور